ماهنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

OCTOBER-1988

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

جلد نمبر ۳ ———— شمارہ نمبر

اکتوبر ۱۹۸۹ء

● مدیر مسئول ———— نور محمد فلاحی

● مرتب ———— ولی اللہ مجید فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

. سالانہ زرِ تعاون	۳۰ روپئے
. خصوصی تعاون	۱۰۰ روپئے
. غیر ممالک سے	۱۵ امریکی ڈالر
. فی شمارہ	۳ روپئے

پتہ

ترسیلِ زر کا: دفتر ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڈھ یوپی ۲۷۶۱۲۱

فضل نعیمی پریس برائے مکتبہ پبلی کیشنز ..... کاتب: رفیق احمد شاہپور اعظم گڈھ

نقوشِ حیاتِ نو

اداریہ

اس کو نادانی کہوں یا پھر ہٹ دھرمی کہوں؟ — مرتب — ۳

بحث و نظر

قرآن کا تصورِ علم — ڈاکٹر سید مسعود احمد — ۶

اسلام میں داڑھی کا مقام — حافظ قاری محمود جعفر — ۲۴

مقالات

سید قطب شہیدؒ کی قرآنی خدمات — عبید اللہ تمہید فلاحی — ۳۰

عظمت کے مینار

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ — ابو جاوید — ۴۳

تعلیم و تعلم

امام ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ علیہ — الیاس اعظمی — ۵۱

وفیات

موت اس کی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس — ولی اللہ سعیدی فلاحی — ۴۷

تراجم و اقتباسات

دراللہ برغم یہودیت کے شکنجے میں — عبد الحمید اصلاحی — ۴۹

شعر و نغمہ

غزلیں — عزیز نگرودی، قیس اعظمی، امجد پرتاپگڑھی، نکیم پوری، قمر بسوپوری — ۵۰، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵

اخبار علمیہ

"اسلام" انسائیکلوپیڈیا — ادارہ — ۵۶

حلقۂ یاراں

محمد اسلام عمری۔ نور الدین — ۵۹

جامعہ کے لیل و نہار

جناب مولانا محمد فاروقی صاحب کی ریاض کو روانگی — مرتب — ۶۰

اس کو نادانی کہوں یا پھر ہٹ دھرمی کہوں؟

صبح صادق کا وقت تھا۔ اذانِ فجر ہو چکی تھی۔ لوگ تو خواب تھے۔ بادِ صبا کی سحر انگیزی اپنے شباب پر تھی کہ یکایک زمین زور سے ہل پڑی۔ زمین ایک شدید ارتعاش کے ساتھ نہایت خوفناک آواز میں ہلنے لگی۔ عالیشان عمارتوں کی ایک ایک اینٹ اپنی جگہ سے سرک گئی اور ایسا لگا جیسے آج یہ شہر اپنی صدیوں پرانی عشق و محبت کی روایات کا آخری شکار ہو گیا۔ مکانات کے گرنے ہوئے ملبے سے چیخنے چلانے اور کراہنے کی آوازیں تیز سے تیز تر ہونے لگیں۔ کتنا ہیبت ناک تھا وہ منظر! ان گنت آنکھیں، حسرت بھری، انھیں تکنے لگی تھیں۔ جن کی اور موت سے جا کر حقیقت کی راہ سے لی۔ یہ تھا وہ قیامت خیز منظر، آنسوؤں نے موت و حیات کی کشمکش میں اپنا ذخیرہ قرار رکھنے کی بے اوری کو شکست کر کے انہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ لاتعداد مجروح و زخم خوردہ اجسام اپنے وجود کی بقا کی بازی ہارتے جا رہے تھے۔ کتنا عبرتناک تھا وہ منظر! لوگ بلند و بالا عمارتوں سے آہ و فغاں کرتے ہوئے نکلنے لگے۔ قطع نظر اس کے کہ آگے کیا ہوگا مجھے کچھ خبر نہیں لیکن جان مجھے پیاری ہے۔ ہر ایک اپنی خواب گاہ چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ کتنے ہی مرد اور عورتیں لڑکھڑاتے پیروں پر کھڑے حسرت بھری نظروں سے اپنے خوابوں کی تعبیر کو کافور ہوتے دیکھ رہے تھے۔ ڈگمگاتی عمارتوں نے بے شمار سیکڑوں افراد کو ان کے اپنے وجود کو کو سا رہے تھے کہ باپ اندر ہے، بیوی گھر میں ہے، بھائی بستر پر ہے اور تم یہاں ہو۔ لیکن پانے رہے بے بسی۔ شاید جنہیں خواب غفلت میں مست تھیں یا پھر زنگ آلود ہو چکی تھیں۔ ہر سو قیامت کا منظر تھا۔ باپ کو اپنے لاڈلوں کی فکر نہ تھی۔ ماں اپنے شیر خوار بچوں کو چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہی تھیں۔ ماں کی ممتا اور باپ کی محبت کو جیسے نظر بد لگ گئی ہو۔ ہزاروں افراد موت و حیات کی کشمکش میں زندگی گزار رہے تھے۔ زمین شدید برہم تھی۔ کئی جگہ سے زمین کو پھاڑ کر پانی وہاں نکل آیا۔

زمین کی اس حرکت پر آسمان اسے معنی خیز نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن وہ ساکت ہی رہا۔ شاید ابھی قدرت کو وہ کچھ منظور نہ تھا۔۔۔!

یہ کوئی افسانہ نہیں حقیقت ہے۔ یہ کوئی پرانا واقعہ نہیں ابھی چند دنوں کی بات ہے۔ اگست کی ۲۱ تاریخ بروز اتوار لوگوں کے لئے پیغام اجل لے کر آئی۔ ویسے تو اس کا شور دہلی سے ڈھاکہ تک تھا لیکن صوبہ بہار اور نیپال کے سرحدی علاقے اس سے شدید متاثر ہوئے۔ دربھنگہ، مونگیر، بھاگلپور، مدھوبنی وغیرہ میں تو کافی تباہی آئی۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ ۱۹۳۴ء کے زلزلے کے بعد اپنی نوعیت کا یہ پہلا زلزلہ ہے جس میں اتنے بڑے پیمانے پر جانی اور مالی نقصانات ہوئے ہیں۔ اس زلزلے میں تقریباً ایک ہزار افراد جاں بحق ہوئے اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ زخمی ہیں۔ بے شمار گھر پست ہوگئے اور ان گنت مکانات میں ایسی دراڑیں پڑ گئی ہیں کہ وہ رہنے کے قابل نہیں رہے۔ اس واقعہ کو آج ایک ہفتہ ہو رہا ہے لیکن لوگوں پر خوف وہراس کی کیفیت بدستور قائم ہے۔ سقف مصنوعی کے بجائے اب لوگ سقف نیلگوں کے نیچے سونے کو ترجیح دیتے ہیں اور اگر یہ بھی لکھ دوں تو بے جا نہ ہوگا بلکہ غلط نہ ہوگا کہ چند من چلے اگر مل کر شور مچادیں کہ زلزلہ آگیا زلزلہ آگیا، تو بغیر سوچے سمجھے تمام لوگ آبادی چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں۔

اس وقت بڑے پیمانے پر ریلیف کا کام جاری ہے۔ حکومت نے بھی اس جانب توجہ کی ہے مرکزی اور صوبائی حکومتوں نے ہلاک شدگان اور متاثرین کے تعاون کے پیش نظر ایک اچھی رقم دینے کا اعلان کیا ہے۔ حکومتی سطح پر متاثرہ علاقوں کا معائنہ اور زخمیوں کی مزاج پرسی بھی کی گئی ہے ــــ جس سے اب زندگی تقریباً معمول پر آرہی ہے۔ امیدیں بندھ رہی ہیں۔ خوف وہراس سست رفتار کے ساتھ ہی مائل بہ زوال ہے۔ اور وہ دن دور نہیں کہ لوگ اس زلزلے کو بھول جائیں گے اور پھر اس وقت یاد آئے گا جب کوئی دوسرا زلزلہ آپہنچے گا۔

کتنا فرحاں وشاداں ہے آج شیطان۔ اسے اپنی کامیابی پر کتنا ناز ہے۔ وہ تو پھولا نہیں سماتا۔ اپنے شیطانی کارناموں کو گنگنائے پھر رہا ہے ــــ کیوں؟ کیونکہ خوش ہے وہ۔ وہ تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے۔ کتنے ہیں ایسے افراد جن کے لئے یہ زلزلہ تھوڑا سا عبرت بن سکا؟ اس زلزلے سے کتنوں کی آنکھیں کھلیں؟ کتنوں نے اس زلزلے کو رب دو جہاں کی جانب سے بطور تنبیہ لیا؟ کتنوں کو

اپنے کرتوتوں پر ندامت، اپنے اعمال پر خفت اور اپنی حالت پر شرمندگی ہوئی؟ ان کا ہر ایک [illegible] رکھ دیا ــــ اوپر والے نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا ــــ لیکن بتائیے کتنوں نے اس مہلت عمل سے فائدہ اٹھایا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اولا یرون انھم یفتنون فی کل عام مرۃ او مرتین ثم لا یتوبون ولا ھم یذکرون۔ (سورۃ توبہ ۱۲۶) "کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک دو مرتبہ یہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں؟ پھر اس پر بھی نہ توبہ کرتے ہیں نہ کوئی سبق لیتے ہیں۔"

کتنا رحیم وشفیق ہے ہمارا خالق۔ وہ ہر سال خدا بیزار بندوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے ایک دو جھٹکے دیتا ہے کہ لوگ اب بھی سنبھل جائیں، ابھی وقت ہے۔ وہ ہر سال اپنے بندوں کو تنبیہ کرتا ہے، اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اور ہر آن معاف کرنے کے لئے تیار رہتا ہے لیکن انسان نے تو حد کردی بیوقوفی و نادانی کی۔ وہ اسے محض ایک وقتی حادثہ یا واقعہ سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اسے اچھا بھلا عقل وفہم رکھنے والا اور ان گنت خوبیوں کا مالک اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ لیکن افسوس وہ اس عقل سے ذرہ برابر بھی کام نہیں لیتا۔ کیا ہو گیا ہے اسے؟ کون سمجھائے اسے؟ کس کی بات مانے گا یہ؟ یہ خود کیوں نہیں سوچتا؟

یہ تو ایک ہلکا سا جھٹکا تھا۔ مشکل سے ایک منٹ کا رہا ہوگا۔ ایسے ہی جب تمام انسان اپنے اپنے کاموں میں سرگرداں اپنی اپنی منزل کی طرف بے خوف وخطر رواں دواں ہونگے کہ اچانک ایک زبردست زلزلہ آئیگا۔ کسی کو کچھ سوچنے تک کی مہلت نہ ملیگی۔ ریلیف کی حاجت نہ ہوگی۔ تیمارداری کی نوبت نہ آئیگی اور لکھنے والوں کے ہاتھوں سے قلم چھین لیا گیا ہوگا۔ ایک زبردست طوفان اٹھے گا زمین بالکل سپاٹ ہوجائیگی، نہ کوئی مکان ہوگا اور نہ مکین، نظام کائنات درہم برہم ہو جائیگا۔ اس دن حشر بپا ہوگا، ہم تمام اپنے خالق کے سامنے ہونگے۔ اس دن جہاں کچھ لوگ خوش وخرم عالیشان بنگلوں اور عمدہ قسم کے باغات میں سیر کرتے ہونگے وہیں کچھ لوگ ایسے بھی ہونگے جو بادب مالک حقیقی کے سامنے گڑگڑا رہے ہوں گے۔ اے میرے رب مجھے صرف ایک بار مہلت دیدے میں اچھے اعمال لے کر تیرے حضور حاضر ہوں گا ــــ لیکن اس وقت مہلت عمل گذر چکی ہوگی۔ جھٹکوں کا سلسلہ ختم ہو چکا ہوگا ــــ پھر تو دوزخ ہی ٹھکانہ ہوگا۔ نعوذ باللہ من عذاب جھنم۔

اے ہمارے پالنہار! اپنے بھٹکے ہوئے بندوں کو اس جھٹکے سے بیدار ہونے کی توفیق عطا فرما، انھیں ہدایت دے اور ہمیں طاقت دے کہ ہم ان تک دین کی باتیں پہنچا سکیں۔ ہمیں سچا پکا مومن بنا اور اپنے دین اسلام کا خادم بنا لے۔ اے خدائے بزرگ وبرتر! روز جزا ہمیں بخش دینا۔ بندے کی آرزو یہی تمنا ہے۔ آمین یا رب العالمین۔

قرآن کا تصورِ علم

ڈاکٹر سید مسعود احمد

علم کیا ہے؟ اس کی متعین تعریف کرنا مشکل ہے۔ الکندی سے امام غزالیؒ تک علم کی پانچ سو سے زائد تعریفیں (DEFINATIONS) کی جا چکی ہیں۔ لفظ علم کے معانی ہیں جاننا، کسی دریافت کر لینا، یقین و معرفت حاصل کرنا وغیرہ۔ قرآن مجید نے علم الاشیاء (البقرہ ۔ ۳۱)، علم ہدایتؒ، علم صفاتؒ، علم منطقؒ، علم غیب اور علم شہادتؒ وغیرہ مختلف علوم کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کی حدود بہت وسیع ہیں۔ اس میں احوال و افعال، اوصاف و اصناف، زمان و مکان، مادہ و ارتقاء، روح و جسم، صفت و حرفت جملہ مظاہر کائنات کی معرفت اس میں آجاتی ہے۔

حقیقت (REALITY) ایک معروضی OBJECTIVE TERM یا PRAGMATIC AFFAIR چیز ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا حقیقت ایک ہے یا ایک سے زائد اگر حقیقت ایک ہے تو وہ ہر چیز کی آخری (ULTIMATE REALITY) حقیقت ہوگی جس سے یہ بھی طور پر یہ نکتہ نکلتا ہے کہ اس آخری حقیقت کا عرفان ہی جستجوئے حقیقت کا منتہائے مقصود ہونا چاہئے اور اگر حقیقت متنوع المظاہر (DIVERSIFIDE FACTS) صفت ہے تو نیرنگی و تنوع کی بنیاد پر مختلف حقائق کو الگ الگ بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس

لہ الرحمٰن : ۳ ، البلد : ۱۰ ، الدہر : ۳

لہ لقمان : ۲۰ ، الکہف : ۱۰۹ لہ القیامہ : ۱۴ ، بنی اسرائیل : ۱ ، طہٰ : ۱۰

لہ الحشر : ۲۲ ، المومنون : ۹۲ ، الرعد : ۹ ، فاطر : ۳۸

اختلاف رائے کا ہماری بحث پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ قرآن کی رو سے "الحق" ULDIMATE AND ABSOLUTE REALITY اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (المومنون : ۱۱۶ ، طہٰ : ۱۱۴) البتہ انسان کی خلافتِ ارضی اور تسخیر کائنات جیسی گراں بار ذمہ داریوں کا یہ تقاضا ہے کہ اس "الحق من ربک" (آل عمران : ۶۰ ، الحج : ۵۴) کے مختلف مظاہر کو وہ سمجھے کیونکہ قرآن کائنات کے آئینہ میں خالق کائنات کی معرفت اور احساس ذمہ داری کا تصور پیدا کرنا چاہتا ہے۔ (آل عمران : ۱۹۰۔ ۱۹۱) اور قرآن کی رو سے علم کا صحیح مصرف یہ ہے کہ انسان خلافتِ الٰہیہ کی گوناگوں ذمہ داریوں کی بہتر بجا آوری کے قابل ہو جائے۔ علم اسی مقصد کے حصول کے لئے اسے دیا گیا تھا۔ (البقرہ : ۳۰ ۔ ۳۳)

علم کے معانی و مفاہیم

کسی شے یا صفت کے حقیقی اور جامع مفہوم کو متعین کرنے کے لئے عموماً چار طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔

۱۔ خود اس شے یا صفت کے استعمالات دیکھے جائیں۔
۲۔ ظروفِ اشیاء کے معانی سے استنباط کیا جائے۔
۳۔ اشیاء کی ضد کے معانی و مفاہیم سے ان کا مفہوم متعین کیا جائے۔
۴۔ اس شے سے قریب تر اشیاء کے متعلقات سے اس کے معانی کا تعین کیا جائے۔

مندرجہ بالا چار طریقوں سے علم کا مفہوم متعین کرنے کے لئے ہم بحث اس طرح کر سکتے ہیں کہ اولاً خود صفت علم کے مختلف قرآنی استعمالات کا تجزیہ ہو۔ ثانیاً یہ دیکھا جائے کہ قرآن کے نزدیک علم والے کون ہیں۔ اس کی روشنی میں اس کے مفہوم کا تعین کیا جائے۔ ثالثاً جہل و جہلاء کے استعمال کی روشنی میں ضد جہل یعنی کے معانی متعین کئے جائیں۔ رابعاً علم کے ہم معنی الفاظ مثلاً تعقل، تفقہ، حکمت اور ہدایت وغیرہ کا قرآنی تصور علم کے معانی جاننے کے لئے استعمال کیا جائے۔

علم والوں کے ضمن میں قرآن مختلف الفاظ استعمال کرتا ہے مثلاً اوتوا العلم، علماء، عالمون، اولی العلم، ذی علم، راسخون فی العلم وغیرہ۔

قرآن مجید میں نو مقامات پر اوتوا العلم (جنہیں علم دیا گیا) کا تذکرہ ہے۔ (الحج : ۵۴)

ایک مقام پر اوتیتی العلم (یعنی علم دیے گئے) آیا ہے۔ (النحل : ۲۷)۔ آیات کا علم عطا ہونا یہ ہے کہ علم والے آیات و بینات کو ڈھونڈ لیتے ہیں اور تدبر کرتے ہیں (العنکبوت : ۴۹) یوم آخرت پر (الروم : ۵۶، القصص : ۸۰) اور قرآن پر (بنی اسرائیل : ۱۰۷) ایمان لے آتے ہیں اور ایمان والوں اور علم والوں کے درجات اللہ کے نزدیک بہت بلند ہیں (المجادلہ : ۱۱)۔

عالموں کی فہرست میں جن لوگوں کو شمار کیا گیا ہے ان کا ذکر سات آیات میں ملتا ہے۔[1] مثلاً سورہ عنکبوت : ۴۳ میں فرمایا گیا ہے کہ "یہ مثالیں ہم لوگوں کی فہمائش کے لئے دیتے ہیں، مگر ان کو وہی سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے (عالمون) ہیں"۔ سورۂ روم آیت ۲۲ میں ہے کہ "اس کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانشمند لوگوں (عالمین) کے لئے"۔ علماء کا ذکر دو جگہ آیا ہے۔ (فاطر : ۲۸، الشعراء : ۱۹۷) ایک جگہ علمائے بنی اسرائیل کے لئے اور دوسری جگہ زیادہ جامع معنوں میں اس کا استعمال ہوا ہے۔ فرمایا: "اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں علم رکھنے والے ہی ڈرتے ہیں۔ (فاطر : ۲۸) عالمین کا استعمال تین جگہ اور ہے جن میں اللہ تعالیٰ کا علم (الانبیاء : ۵۱، ۸۱) اور عزیز مصر کے خواب دیکھنے پر اس کے درباریوں کی لاعلمی (یوسف : ۴۴) کو اظہار کرنے کے لئے علم "نہیں جانتا" استعمال ہوا ہے۔[2]

اولی العلم کے سلسلے میں سورۂ آل عمران آیت ۱۸ میں فرمایا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے اس کے فرشتے اور علم والے اس بات پر شاہد ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ عدل پر قائم ہے"۔

"ذی علم" کا ذکر سورۂ یوسف کی دو آیات میں ہے۔ ایک آیت ۶۸ میں حضرت یعقوب کے بارے میں فرمایا کہ وہ علم والے تھے یعنی وہ نبی اور صاحب وحی و رسالت تھے۔ اور

---

[1] اور نیز ملاحظہ ہو: حج ۵۴، سبا ۶

[2] مزید دیکھئے یوسف : ۴۴؛ الروم : ۲۲؛ الانبیاء : ۵۱، ۸۱؛ القصص : ۸۰؛ الشعراء : ۱۹۷۔

آیت ۷۶ میں اللہ تعالیٰ کو تمام علم والوں (کل ذی علم) سے اوپر ایک علیم بتایا گیا ہے۔ یہاں ذی علم اپنے وسیع معانی میں استعمال ہوا ہے۔

قرآن مجید علم میں پختہ لوگوں (الراسخون فی العلم) کی یہ صفت بیان کرتا ہے کہ وہ متشابہات کی تاویل میں وقت ضائع نہیں کرتے بلکہ ان کے معانی کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے خاموش ہو جاتے ہیں اور ان کی حقانیت پر یقین رکھتے ہیں (آل عمران : ۷) دوسری جگہ سورۃ النساء آیت ۱۶۲ میں ہے کہ "لیکن راسخون فی العلم اور مومنین اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور آپ سے پہلے اور جو نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں"۔

"یعلمون" (یونس : ۵)[1] قرآن میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے جس کا احاطہ کرنا مضمون کی طوالت کا باعث ہوگا۔ اس لفظ کے مختلف و متنوع استعمال سے علم کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔

"اہل الذکر" کو بھی جاننے والوں ہی کی صف میں رکھا جا سکتا ہے کیوں کہ قرآن ہی میں واضح قرینہ ہے کہ اہل ذکر سے مراد اہل علم ہیں۔ فرمایا گیا کہ تمہیں علم نہ ہو تو اہل ذکر سے پوچھو (النحل : ۴۳، الانبیاء : ۷) یہاں اہل ذکر سے مراد علمائے دین اور حاملین کتاب ہیں۔

علم کی ضد یعنی جہل کے سلسلے میں قرآن میں جاہل، جاہلون، تجہلون وغیرہ الفاظ بیس سے زائد مقامات پر استعمال ہوئے ہیں۔ ہم یہاں ان الفاظ سے جہل کے معانی و مفاہیم کا تعین کریں گے۔ پچیس مقامات پر جہل کے مختلف معنوں کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ لفظ تعصب، حماقت، سفاہت، نادانی، بے علمی، حقیقت سے ناواقفیت، بد تمیزی، وہم و قیاس وغیرہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے (البقرہ : ۶۷)[2] صاحب تفہیم القرآن سورۂ احزاب آیت ۳۳ کے حاشیے ۴۸ میں رقمطراز ہیں کہ جاہلیت کا لفظ

---

[1] مزید ملاحظہ ہو توبہ ۱۱، ۱۲۲؛ اعراف : ۳۲؛ لقمان : ۳۴؛ النمل ۵۲ وغیرہ۔

باقی اگلے صفحہ پر

قرآن مجید میں اس مقام کے علاوہ تین جگہ اور استعمال ہوا ہے۔ ایک آل عمران کی آیت ۱۵۴ میں جہاں اللہ کی راہ میں لڑنے سے جی چرانے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ "وہ اللہ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت کے سے گمان رکھتے ہیں"۔ دوسرے سورۂ مائدہ آیت ۵۰ میں، جہاں خدا کے قانون کے بجائے کسی اور قانون کے مطابق اپنے مقدمات کا فیصلہ کرنے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ تیسرے سورہ فتح آیت ۲۶ میں جہاں کفار مکہ کے اس فعل کو حمیتِ جاہلیہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ انھوں نے محض تعصب کی بنا پر مسلمانوں کو عمرہ کرنے نہ دیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ابو الدرداء نے کسی شخص سے جھگڑا کرتے ہوئے اس کو ماں کی گالی دے دی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ابھی تک جاہلیت کی بو موجود ہے...... ان تمام استعمالات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جاہلیت سے مراد اسلام کی اصطلاح میں ہر وہ طرز عمل ہے جو اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی اخلاق و آداب اور اسلامی ذہنیت کے خلاف ہو، اور جاہلیت اولیٰ کا مطلب وہ برائیاں ہیں جن میں اسلام سے پہلے عرب کے لوگ اور دنیا بھر کے لوگ مبتلا تھے۔"

جاہلیت کے ضمن میں ذہن مفسر کا ایک اور حاشیہ اس بحث کے دیگر گوشے نمایاں کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:

جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے کیونکہ اس کی طرف خدا نے رہنمائی کی ہے جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے۔ اس کے برخلاف ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے جاہلیت کا طریقہ ہے۔ عرب کے زمانۂ قبلِ اسلام کو جاہلیت کا دور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس زمانہ میں علم کے بغیر محض وہم یا

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ)؛ [2] نیز دیکھئے آل عمران: ۱۵۴؛ النساء: ۱۷؛ المائدہ: ۵؛ الانعام: ۳۵، ۵۴، ۱۱۱؛ الاعراف ۱۳۸، ۱۹۹؛ ہود: ۲۹، ۴۶؛ یوسف: ۳۳، ۸۹؛ النحل ۱۱۹؛ النمل: ۵۵؛ فرقان: ۶۳؛ القصص: ۵۵؛ الزمر ۶۴؛ احقاف: ۲۳؛ احزاب ۳۳۔

قیاس و گمان یا خواہشات کی بنا پر انسانوں نے اپنے لئے زندگی کے طریقے مقرر کر لیے تھے۔ یہ طرزِ عمل جہاں جس دور میں بھی انسان اختیار کریں گے اسے بہرحال جاہلیت ہی کا طرزِ عمل کہا جائے گا۔ مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ محض ایک جزوی علم ہے اور کسی معنی میں بھی انسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں ہے لہٰذا خدا کے دیئے ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر جو نظامِ زندگی اس جزوی علم کے ساتھ ظنون و اوہام اور قیاسات و خواہشات کی آمیزش کر کے بنائے گئے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح جاہلیت کی تعریف میں آتے ہیں جس طرح قدیم زمانے کے جاہلی طریقے اس تعریف میں آتے تھے[1]۔

مندرجہ بالا قرآنی اصطلاحات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ علم والے وہ لوگ قرار پاتے ہیں جو حقائق کائنات اور حقیقت نفس الامری کو جاننے والے ہیں جو آخرت کو سنوارنے کی نہ صرف خود فکر کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے ہیں جو کائنات میں اپنے مقام اور اپنے مقصد زندگی معرفت حاصل کر چکے ہیں۔ اس کے برخلاف ہر وہ شخص قرآن کی رو سے جاہل قرار پاتا ہے جو ان حقائق سے نابلد ہے یا ان سے جانتے بوجھتے روگردانی کرتا ہے اور حیاتِ دنیوی ہی کو اپنا مطمح نظر بنا کر زندگی گزارتا ہے۔

علم اور علماء کے مفہوم میں یفقہون، اولوالالباب، حکمت، یعقلون وغیرہ کا استعمال بھی قرآن میں کثرت سے ہوا ہے۔ اختصار کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تفقہ، حکمت اور ہدایت کا تعلق اس علم سے ہے جس سے نبی تو فیضیاب ہوتا ہی ہے، ان کے علاوہ دوسرے سلیم الفطرت انسانوں کو بھی اللہ تعالیٰ خصوصی طور پر اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ علم کے جامع و وسیع مفہوم کے تعلق میں ان الفاظ کے مختلف استعمالات سے یک گونہ درستی اور تقویت پہنچتی ہے۔

علم کے ضمن میں اوپر کے جائزہ اور قرآنی تصریحات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ

[1] تفہیم القرآن جلد اوّل، سورۂ مائدہ، حاشیہ نمبر ۸۳

حقیقی علم[1]، جیسے قرآن میں اکثر "العلم" سے تعبیر کیا گیا ہے وہ ہے جو براہ راست پیغمبر کو وحی کے ذریعے دیا جاتا ہے، اور دوسرے انسانوں تک رسولوں کے ذریعے پہنچتا ہے۔ رسول (خصوصاً نبی آخر الزماں ﷺ) کتاب ہدایت و دانائی کی تعلیم دیتے ہیں۔ کائنات اور خالق کائنات کے رموز و اسرار کی نقاب کشائی کرتے ہیں، آئینۂ کائنات میں خالق کائنات اور منازل انسانی کا پرتو دکھاتے ہیں اور ان علوم حقائق کی روشنی میں انسانوں کے تزکیہ کا بیڑا اٹھاتے ہیں[2]۔ لہٰذا علم کا منتہائے مقصود ایمان اور تزکیۂ نفس قرار پاتا ہے۔ بذریعہ سورۂ جمعہ کی آیت نمبر ۵ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حاملین علم کی ایک بنیادی صفت یہ بھی ہونی چاہئے کہ جن حقائق سے وہ بہرہ ور ہوں، ان کا عکس ان کی عملی زندگی میں بھی جھلکنا چاہئے۔ عالم باعمل ہی حقیقی نفع پانے کے دعوے دار ہو سکتے ہیں اور وہی اس علم کی اہمیت اور خاموش تبلیغ کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ ورنہ وہ "کمثل الحمار یحمل اسفاراً" کے مصداق ہوں گے۔ (الجمعہ: ۵)

مزید برآں اوتوا العلم اپنے علم سے مخلوق عام کو فائدہ پہنچانے کی پوری کوشش کریں ورنہ وہ علم خود ان کے لئے تباہی و رسوائی کا موجب بن جائے گا۔ (القصص: ۷۸) حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حاملین کتاب پر اللہ کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ تزکیۂ نفوس اور تطہیر معاشرہ کا فریضہ انجام دیں کیونکہ وہ بھلے معروف و منکر کو خوب جانتے ہیں اور علم الٰہی اور عرفان حقائق کی لذت سے آشنا ہیں۔ ●●

(باقی آئندہ)

---

[1] النجم: ۳۰، الملک: ۲۶ وغیرہ۔
[2] الجمعہ: ۲، آل عمران: ۱۶۴، البقرہ: ۱۵۱۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

تحریر: عبدالرحمٰن رافت پاشا ———— ترجمانی: ابو عابد

یہ کہانی ایک ایسے انسان کی کہانی ہے جو عرصۂ دراز تک حقیقت کی تلاش و جستجو میں اس کے پیچھے بھاگتا اور طویل مدت تک خدا کی یافت کے لئے سرگرداں و پریشان رہا۔ یہ قصہ حضرت سلمان فارسی کا قصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور انھیں راضی کرے۔

یہ بات ہم انہی پر چھوڑتے ہیں کہ وہ اپنے اس قصے کے واقعات و حوادث کو اپنی زبان سے بیان کریں کیونکہ اس معاملے میں ان کا شعور نہایت گہرا اور ان کا بیان زیادہ دقیق و صداقت ہے۔ حضرت سلمان اپنی کہانی کا آغاز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"میں اصفہان کی ایک بستی "جیان" کا رہنے والا ایک ایرانی نوجوان تھا۔ میرے والد اس گاؤں کے زمیندار، اس کے باشندوں میں سب سے زیادہ مالدار اور سماجی لحاظ سے سب سے بلند مقام و مرتبہ کے مالک تھے۔ وہ میرے روز پیدائش ہی سے میرے ساتھ غیر معمولی محبت رکھتے تھے اور ان کی محبت مرور ایام کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہی اور اس میں شب و روز اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ مجھے نقصان پہنچنے کے موہوم خطرات کے پیش نظر انھوں نے دوشیزہ کی طرح میرے گھر سے نکلنے پر سخت پابندی عائد کر دی۔ میں نے اپنے آبائی مذہب مجوسیت کا علم حاصل کرنے اور اس کے احکام و فرائض پر عمل کرنے میں غیر معمولی محنت اور دلچسپی سے کام لیا اور ترقی کر کے آتش کدہ کا مرزبان ہو گیا اور شب و روز اس کو دہکانے اور روشن رکھنے کی ذمہ داری میرے سپرد کر دی گئی۔

میرے والد کے پاس کافی زمین تھی جس سے بڑی مقدار میں غلہ حاصل ہوتا تھا۔ زمین کا انتظام اور فصلوں کی دیکھ بھال وہ بذات خود کرتے تھے۔ ایک بار کسی مصروفیت کی وجہ سے وہ گاؤں نہیں جا سکے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ بیٹے تم دیکھ رہے ہو کہ اپنی مصروفیت کے سبب سے میں کھیت پر نہیں جا سکتا۔ آج میری جگہ تم وہاں چلے جاؤ اور اس کی نگرانی کرو۔ والد صاحب کی ہدایت کے مطابق میں

کھیت پر جانے کے ارادے سے گھر سے نکلا۔ راستے میں میرا گزر عیسائیوں کے ایک گرجا کی طرف سے ہوا۔ اس وقت گرجا میں نماز ہو رہی تھی۔ ان کی آواز کانوں میں پڑی تو میری توجہ ان کی طرف مبذول ہو گئی۔ چونکہ میرے والد نے گھر سے نکلنے اور لوگوں کے ساتھ ربط و تعلق قائم کرنے پر پابندی لگا دی تھی اس لئے میں نصاریٰ اور دیگر اہل مذاہب کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ چنانچہ جب میں نے ان کی آوازیں سنیں تو یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کیا کر رہے ہیں، گرجا میں داخل ہو گیا۔ جب میں نے خود سے دیکھا تو ان کی عبادت اور نماز کا یہ انداز مجھے بہت پسند آیا اور میرے اندر ان کے مذہب سے رغبت پیدا ہو گئی۔ میں نے دل میں کہا، بخدا ان کا مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے۔ پھر میں غروب آفتاب تک ان کے ساتھ رہا۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ اس دین کی اصل کہاں ہے؟ انھوں نے بتایا کہ اس کی اصل شام میں ہے۔ جب رات کو گھر واپس آیا تو میرے والد مجھ سے ملے اور انھوں نے میری کارگزاریوں کی روداد پوچھی۔ میں نے کہا کہ ابا جان! میرا گزر کچھ لوگوں کی طرف ہوا جو کنیسہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے ان کا طریقۂ عبادت بہت پسند آیا اور میں غروب آفتاب تک ان کی صحبت میں رکا رہا۔ میرے اس عمل سے والد صاحب بہت گھبرائے اور انھوں نے کہا کہ بیٹے! اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے۔ تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا دین اس سے بہتر ہے۔ میں نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم! ان کا دین ہمارے دین سے اچھا ہے۔ میری بات سن کر والد صاحب کو اس بات کا اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں میں اپنے دین سے پھر نہ جاؤں۔ چنانچہ انھوں نے مجھے گھر میں قید کر کے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔

موقع پا کر میں نے نصاریٰ کے یہاں پیغام بھیجا کہ اگر شام جانے والا کوئی قافلہ تمہارے پاس پہونچے تو مجھے آگاہ کرنا۔ خوش قسمتی سے چند ہی روز کے بعد شام جانے والا ایک قافلہ ان کے پاس پہنچ گیا اور انھوں نے مجھے اس کی اطلاع کر دی۔ میں نے کوشش کر کے اپنے آپ کو بیڑیوں سے آزاد کیا اور چپکے سے ان کے ساتھ شام پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے دریافت کیا کہ دینی حیثیت کا سب سے افضل آدمی کون ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ وہ پادری جو گرجا کا متولی و منتظم ہے، اس وقت کا سب سے افضل اور بہتر نصرانی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

"میں نصرانیت کی طرف مائل ہوں۔ چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس رہوں، آپ کی خدمت کروں،

آپ سے اس کی تعلیم حاصل کروں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھوں۔" اس نے میری درخواست قبول کر لی اور مجھے اپنے ساتھ قیام کی اجازت دے دی۔ چنانچہ میں اس کے ساتھ گرجا میں رہنے اور اس کی خدمت کرنے لگا لیکن چند ہی روز رہنے کے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ اپنے اخلاق و عادات اور اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے وہ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ وہ اپنے متبعین کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتا اور ثواب کی خوشخبری سناتا۔ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے لوگ اسے مال دیتے تو وہ سب کچھ اپنے لئے جمع کر لیتا، فقراء و مساکین کو اس میں سے کچھ نہ دیتا۔ یہاں تک کہ دھیرے دھیرے اس کے پاس کافی دولت جمع ہو گئی اور اس کے یہاں سونے سے بھرے ہوئے سات گھڑے اکٹھا ہو گئے۔ اس کا یہ رویہ دیکھ کر مجھے اس سے شدید نفرت ہو گئی۔ کچھ دنوں کے بعد جب اس کا انتقال ہو گیا اور نصرانی اس کی تجہیز و تکفین کے لئے جمع ہوئے تو میں نے ان کو بتایا کہ یہ بہت برا شخص تھا، تم لوگوں کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتا مگر تمہاری دی ہوئی پوری کی پوری رقم اپنی ذات کے لئے جمع کر لیتا تھا۔ اس میں سے محتاجوں اور ضرورت مندوں کو ایک حبہ نہیں دیتا تھا۔ انھوں نے کہا تم کو کیسے معلوم؟ میں نے کہا میں تم کو اس کا خزانہ دکھاتا ہوں اور میں نے وہ جگہ دکھا دی۔ انھوں نے وہاں سے سات گھڑے نکالے جو سونے چاندی سے پُر تھے۔ یہ دیکھ کر انھوں نے کہا:

"بخدا ہم اس کو ہرگز دفن نہیں کریں گے۔"

پھر انھوں نے اس کی لاش کو صلیب پر لٹکا کر اس پر پتھروں کی بارش کر دی۔

اس کے چند روز بعد انھوں نے اس کی جگہ ایک دوسرے شخص کو مقرر کیا اور میں اس کی صحبت میں رہنے لگا۔ میں نے دنیا میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اس سے زیادہ دنیا سے بے نیاز، آخرت کا مشتاق اور عبادت کا پابند ہو۔ میں اس سے بے حد محبت کرنے لگا اور ایک مدت تک اس کی صحبت سے مستفید ہوتا رہا۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو میں نے اس سے عرض کیا۔

"محترم! میرے لئے آپ کی کیا وصیت ہے؟ آپ مجھے اپنے بعد کس کی صحبت اختیار کرنے کی نصیحت فرما رہے ہیں؟"

"بیٹے! اپنے علم کی حد تک میں صرف ایک شخص کو جانتا ہوں جو اس دین پر قائم ہے جس پر میں تھا۔ وہ فلاں شخص ہے جو موصل میں رہتا ہے۔ اس نے صحیح دین میں کوئی تحریف نہیں

کمسبہ۔ حق اب صرف "موصل" کے پاس ہے"۔ اس نے جواب دیا۔

جب میرے مرشد کا انتقال ہو گیا تو میں موصل پہنچا اور اس شخص کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کو اپنی پوری سرگزشت سے آگاہ کر دیا میں نے اسے بتایا کہ فلاں بزرگ نے اپنی موت کے وقت مجھے آپ کی صحبت اختیار کرنے کی وصیت کی تھی۔ انھوں نے مجھے بتایا تھا کہ اب صرف آپ ہی اس دین پر قائم ہیں جس پر وہ خود تھے۔ میری بات سن کر انھوں نے مجھے اپنے پاس ٹھہرنے کی اجازت دے دی اور میں وہاں رہنے لگا۔ میں نے ان کو بہترین حالت پر پایا لیکن بدقسمتی سے میں زیادہ دنوں تک ان کی صحبت سے استفادہ نہ کر سکا۔ ان کی موت کا پروانہ بہت جلد آ گیا۔ جب ان کے انتقال کی گھڑی قریب آ گئی تو میں نے عرض کیا۔

"محترم! آپ کا وقت موعود آ گیا اور آپ میرے معاملے سے بخوبی واقف ہیں۔ اب آپ خدا کی طرف سے میرے لئے کیا وصیت ہے۔ مجھے کس کے پاس جانے کی ہدایت فرماتے ہیں؟" میری بات سن کر انھوں نے فرمایا:

"بیٹے! بخدا مجھے نہیں معلوم کہ "نصیبین" کے فلاں شخص کے سوا کوئی دوسرا آدمی اس دین پر باقی ہے جس پر ہم لوگ ہیں۔ بس تم وہیں جاؤ اور اسی کی صحبت اختیار کرو۔"

اس بزرگ کی تجہیز و تکفین کے بعد میں نصیبین والے بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھیں اپنے حالات اور اپنے مرشد کی ہدایت سے آگاہ کیا۔ انھوں نے مجھے اپنے ساتھ رکھنے پر رضا مندی ظاہر کی اور میں ان کے پاس مقیم ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اسی حق پر قائم ہیں جس پر پہلے دونوں بزرگ تھے لیکن مجھے ان کی صحبت میں رہتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ان کا وقت بھی پورا ہو گیا جب ان کی موت کا وقت قریب آ گیا تو میں نے ان سے کہا۔

"آپ کو میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میرا مقصد کیا ہے جس کے لئے در در کی خاک چھانتا پھر رہا ہوں۔ اب اپنے بعد آپ مجھے کس کے پاس جانے کی ہدایت فرماتے ہیں؟" انھوں نے جواب دیا کہ:

"بیٹے! میری معلومات کی حد تک اب روئے زمین پر صرف ایک شخص رہ گیا ہے جو اس دین حق پر قائم ہے۔ وہ فلاں شخص ہے جو "عموریہ" میں رہتا ہے میرے بعد تم اسی کے پاس چلے جانا۔"

میں ان کی ہدایت کے مطابق "عموریہ" پہنچا۔ تمام حالات و واقعات سے انھیں باخبر کیا اور بزرگ کی وصیت کا ذکر کرتے ہوئے ان کی خدمت میں قیام کی اجازت طلب کی۔ انھوں نے اجازت دے دی اور میں ان کے ساتھ رہنے لگا۔ بخدا وہ مذکورہ بزرگوں کے طریقے پر قائم تھے۔ میں ان کی صحبت سے مستفیض ہونے لگا۔ ان کے یہاں رہتے ہوئے میں نے کچھ گائیں اور بکریاں پال لیں۔ جب ان کی موت کا وقت آ پہنچا تو میں نے ان سے کہا:

"آپ میرے معاملے سے اچھی طرح واقف ہیں۔ میرے بارے میں کس کو وصیت کر رہے ہیں اور مجھے کیا حکم دے رہے ہیں؟"

انھوں نے جواب دیا کہ:

"بیٹے! بخدا میرے علم کی حد تک روئے زمین پر اب کوئی ایسا شخص نہیں رہا ہے جو اسی دین پر قائم ہو جس پر ہم تھے۔ لیکن وہ وقت قریب آ گیا ہے جب سرزمین عرب میں ایک نبی دین ابراہیمی کے ساتھ مبعوث ہوگا پھر وہ اپنے وطن سے کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا جو دو حرّوں[1] کے درمیان واقع ہے۔ اس کی چند واضح نشانیاں ہیں۔ وہ ہدیہ قبول کرے گا صدقہ نہیں کھائے گا۔ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ اگر ہو سکے تو تم اسی علاقے میں چلے جاؤ۔"

ان کے انتقال کے بعد کچھ دنوں تک میں عموریہ میں مقیم رہا۔ ایک دن ادھر سے کچھ عرب تاجروں کا گزر ہوا جو قبیلہ بنی کلب سے تعلق رکھتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر تم لوگ مجھے اپنے ساتھ عرب لیتے چلو تو میں تمہیں اپنی ساری گائیں اور بکریاں دے دوں گا۔ وہ تیار ہو گئے اور میں نے اپنے جانور ان کے حوالے کر دیئے۔ جب قافلہ مدینہ اور شام کے درمیان واقع ایک مقام "وادی القریٰ" پر پہنچا تو انھوں نے میرے ساتھ غداری کی اور مجھے غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اب میں ایک غلام کی حیثیت سے اس کی خدمت کرنے لگا۔ کچھ عرصہ بعد بنو قریظہ کا ایک یہودی اس کے یہاں آیا اور مجھے خرید کر اپنے ساتھ "یثرب" لے گیا۔ میں نے وہاں کھجوروں کے پیڑ دیکھے جن کا ذکر عموریہ والے بزرگ نے کیا تھا۔ اس کی بیان کردہ علامتوں کی مدد سے میں نے مدینہ کو پہچان لیا۔ اب میں اپنے نئے یہودی آقا کے ساتھ مدینہ میں رہنے لگا۔

اس وقت تک نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ ہی میں تھے اور اپنی قوم میں دعوت و تبلیغ کو

۱۔ سیاہ کنکریوں والی سرزمین

ذریعہ انجام دے رہے تھے۔ اس دوران اپنی غلامی کی مصروفیات اور عدیم الفرصتی کے سبب ان کے متعلق کچھ معلومات نہیں حاصل کر سکا۔ پھر آپؐ مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ ایک روز میں اپنے آقا کے باغ میں ایک کھجور پر چڑھا ہوا کچھ کام کر رہا تھا میرا آقا اسی درخت کے نیچے بیٹھا تھا اتنے میں اس کے قبیلے کا کوئی شخص آیا اور کہنے لگا:

"اللہ تعالیٰ بنو قیلہ[1] کو ہلاک کرے۔ وہ سب قبا میں ایک شخص کے گرد جمع ہیں جو آج ہی مکّہ سے ان کے یہاں پہنچا ہے اور خود کو نبی بتا رہا ہے۔"

یہ سنتے ہی میرے اوپر بخار کی کیفیت طاری ہو گئی اور میرا بدن جسم کانپنے لگا۔ مجھے ایسا لگا کہ میں اپنے آقا کے اوپر گر پڑوں گا۔ میں جلدی جلدی درخت سے اترا اور اس آدمی سے پوچھنے لگا:

"ابھی تم کیا کہہ رہے تھے ذرا وہ بات مجھے دوبارہ بتاؤ۔"

اس پر میرا آقا غضب ناک ہو گیا اور اس نے مجھے ایک گھونسہ مار کر کہا:

"تمہیں اس سے کیا مطلب۔ چلو، جا کر اپنا کام کرو۔"

شام کو کچھ کھجوریں ساتھ لے کر جو میں نے جمع کر رکھی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا اور ان کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک نیک آدمی ہیں اور آپ کے کچھ غریب الوطن اور ضرورت مند ساتھی ہیں۔ یہ صدقے کی تھوڑی سی کھجوریں ہیں۔ میرے خیال سے آپ لوگ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔"

آپؐ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کھاؤ، مگر خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا "یہ پہلی علامت ہے۔"

اس کے بعد میں واپس چلا آیا اور پھر کھجوریں جمع کرتا رہا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبا سے مدینہ آئے تو میں نے دوبارہ حاضر خدمت ہو کر عرض کیا:

"اس روز میں نے دیکھا کہ آپ نے صدقے کی کھجوریں نہیں کھائیں اس لیے آج یہ تھوڑی سی

---

[1] اوس و خزرج کے قبیلے

کھجوریں ہدیۃً خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔"

آپؐ نے ان کھجوروں میں سے خود بھی کھایا اور اپنے ساتھیوں کو بھی شریک کیا۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا "یہ دوسری نشانی ہے۔"

تیسری بار جب میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ بقیع غرقد میں تشریف فرما تھے۔ وہاں آپ اپنے کسی صحابی کی تدفین میں شریک تھے۔ میں نے آپؐ کو بیٹھے ہوئے دیکھا اس وقت آپ کے جسم پر دو چادریں تھیں۔ میں نے قریب پہنچ کر سلام کیا اور گھوم کر پشت کی جانب آ گیا کہ شاید میں وہ خاتم نبوت دیکھ سکوں جس کو عموریہ میں میرے مرشد نے بتایا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی پشت مبارک کی طرف تکتے ہوئے دیکھا تو میرا مقصد سمجھ گئے اور پشت پر سے چادر سرکا دی۔ میں نے خاتم نبوت کو دیکھا، اسے پہچانا اور جھک کر اسے بے ساختہ چومنے لگا۔ اس وقت میری آنکھوں سے مسرت کے آنسو جاری تھے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کیا بات ہے؟"

اور میں نے اپنی پوری سرگزشت بیان کر دی جس کو سن کر آپ مسرور ہوئے اور اس بات سے خوش ہوئے کہ آپ کے اصحاب نے میری زبان سے میری تلاش حق کی داستان سنی۔ ان لوگوں نے بھی اس پر انتہائی حیرت و استعجاب کا اظہار کیا اور بے حد مسرور ہوئے۔

سلام ہو سلمان فارسیؓ پر جس روز وہ تلاش حق کی راہ میں ادھر ادھر ٹھوکریں کھانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، اور سلام ہو ان پر جس روز وہ حق سے آگاہ ہوئے، اور سلام ہو ان پر جس روز وہ مرے اور جس روز زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ ••

سید قطب شہیدؒ کی قرآنی خدمات

عبید اللہ فہد فلاحی ۔ ریسرچ اسکالر شعبۂ سیاسیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۸۔ جدید علوم سے استفادہ

مصنف اپنی تفسیر میں بہت ہی احتیاط اور اعتدال کے ساتھ مغربی علوم اور ان کے بے ضرر ارتقائی مراحل کو قرآنی آیات کی تفسیر و تائید میں استعمال کرتے ہیں۔ اس سے پہلے اس امر کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ سائنس اور جدید انکشافات کے گرد مصنف آیاتِ الٰہی کو نہیں گھماتے ہیں بلکہ ان چیزوں کو درست و حکمت سے قرآنی فکر کے تابع بناتے ہیں۔ سر سید مرحوم کی تفسیر میں مغربی فکر سے مرعوبیت صاف جھلکتی ہے اور اسلامی احکامات اور قرآنی تعلیمات کو پیش کرنے کا انداز اعتذاری ہے جب کہ سید قطب اسلام کی صداقت پر کامل یقین رکھتے، قرآنی مبہمات و متشابہات پر بعید از بیان لاتے اور ناقابل فہم مسائل پر توقف کرتے ہیں۔ وہ جدید علوم کے مراکز میں بیٹھ کر ان کا عطر کشید کر چکے تھے اور تحفظات دیکھ چکے تھے اور وہاں سے مومن و مسلم بن کر واپس ہوئے تھے اس لئے جدید علوم کو قرآن کا مرکب بنا کر بڑے محکم یقین کے ساتھ اسلام کی حقانیت کو پیش کیا۔

سورہ اعلیٰ کی تفسیر میں الذی خلق فسوّی، والذی قدّر فھدی کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے خوبصورت خیالات اس طرح پیش کرتے ہیں:

خدا نے جس چیز کو بھی پیدا کیا اس کی ساخت اور تخلیق کی تکمیل کی اور اس کو اس درجہ کمال تک پہنچایا جو اس کے لئے مناسب و موزوں ہے...... ایک ایٹم مفرد ہونے کی حالت میں بھی اپنی برقیات، پروٹون اور الیکٹرون کے بیچ کامل توازن رکھتا ہے، ٹھیک اسی طرح کا توازن جو کہ نظام شمسی میں سورج، ستاروں اور ان کے توابع کے مابین ہے۔ ایٹم کو اپنی راہ معلوم ہے اور اسی کے مطابق وہ اپنے فرائض و اعمال سے انجام دیتا ہے۔ ایک واحد زندہ خلیہ بھی اپنی تخلیق میں مکمل ہوتا ہے وہ اپنے تمام مفوضہ اعمال انجام دینے کی کامل صلاحیت رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا حال ان انتہائی ترقی یافتہ مخلوقات کی طرح ہے جو مرکب ہیں اور جن کا ترکیبی نظام پیچیدہ ہے۔ ایک مفرد ایٹم اور نظام شمسی اور ایک واحد خلیہ اور

کائنات کی انتہائی ترقی یافتہ زندہ مخلوقات کے مابین مختلف نظاموں اور ترکیبوں پر مشتمل بہت سی مخلوقات مختلف درجات کی ہیں۔ یہ مخلوقات ویسا ہی تخلیقی کمال اور ویسا ہی اجتماعی توازن رکھتی ہیں۔ ان میں بھی نظم و تدبیر امر اور منصوبہ بندی ہے۔ پوری کائنات اس عظیم و عمیق حقیقت پر شاہد عدل ہے۔ [۱۶]

پھر مصنف امریکی سائنس داں A CRESSY MORISSON کی کتاب THE MAN DOES NOT STAND ALONE سے اقتباسات پیش کرکے قرآن کی تائید میں مزید جدید معلومات فراہم کرتے ہیں اور آخر میں ایک مومنانہ تبصرہ بھی کرتے ہیں کہ یہ ساری معلومات کائنات کے عالم غیب کے چند اشارات ہیں جو اللہ نے ہماری کمزور بشری تخلیق کی طاقت کے بقدر کھولے ہیں۔

۹۔ فقہی ولغوی موشگافیوں سے پرہیز

مصنف نے فقہی اختلاف، کلامی بحثوں اور لغت و بلاغت کی نکتہ آفرینیوں سے پرہیز کیا ہے کیونکہ ان کے خیال میں اس سے قرآن کا حسن و جمال متاثر ہوتا ہے اور قاری ان پیچیدہ بحثوں میں الجھ کر قرآن کے مقصد نزول سے غافل رہتا ہے۔ چنانچہ مصنف نے دعوتی اور تربیتی پہلوؤں پر خاصا زور دیا ہے۔ وہ ہر مناسب موقع پر ایک دعوتی تقریر کر دیتے ہیں اور تزکیہ و تربیت کے تمام پہلوؤں کو ابھارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مصنف کا مقصد تصنیف ہی اسلامی معاشرہ کی تابناک حکایتوں کو پیش کرنا اور رسول اکرمؐ اور صحابہؓ کے مثالی واقعات سے آج کی زندگی کو متوازن بنانا ہے اسی لئے سیرت رسولؐ، سیرت صحابہؓ سے بھرپور استشہاد کرتے ہیں اور اسلامی اخلاق کے تمام گوشوں، تعلق باللہ، توکل، صبر و استقامت، انابت و خشیت، خدا خوفی و فکر آخرت وغیرہ پر سیر حاصل تبصرہ کرتے ہیں۔

سورہ فرقان کی تفسیر کرتے ہیں تو اس کے تربیتی پہلو پر بڑے مؤثر انداز میں روشنی ڈالتے ہیں:

"قرآن زندگی کا مکمل دستور ہے۔ ساتھ ہی وہ تربیتی نظام ہے جو فطرت انسانی کے موافق اور علم الٰہی سے مسلّح ہے اور اسی لئے امت مسلمہ کی نت نئی ضروریات سے ہم آہنگ ہے جبکہ وہ اپنے ارتقاء اور پیش رفت کے مراحل طے کر رہی ہو اور اس کی اس استعداد و صلاحیت کے مطابق ہے جو الٰہی تربیتی نظام کے سایہ میں دن بدن بڑھتی رہتی ہے۔ قرآن تو اس لئے نازل ہوا ہے کہ وہ دستور حیات اور نظام تربیت ہو نہ کہ لذت ذہنی یا فکر و علم کی خاطر کسی کتاب کا کام دے۔ وہ تو آیا ہے کہ اس کا

صورت حرف بحرف نافذ ہو اور ہر ایک ایک حکم جاری و ساری ہو۔ اس کا نزول ہوا ہے تاکہ اس کی آیات کی حیثیت روزمرہ ہدایات کی ہو جنہیں مسلمان فوراً اخذ کریں جس طرح فوجی میدانِ جنگ میں یا پریڈ کے میدان میں اثر پذیری، فہم اور تنفیذ کی دلچسپی کے ساتھ احکام وصول کرتا ہے۔ وہ خود بھی ان ہدایات کی پوری پابندی کرتا ہے۔"[55]

۱۰۔ علمی و معلوماتی تفسیر

اگرچہ سید قطب کو قدیم مفسرین سے شکایت ہے کہ وہ قرآن کی ادبی تفسیر کا حق ادا نہ کر سکے۔ دوسری صدی ہجری میں تفسیر قرآن میں بہت وسعت ہوئی تھی مگر قرآن کے فنی و ادبی حسن و جمال کو زیر بحث لانے کے بجائے قرآن میں فقہی، جدلی، صرفی، نحوی، تاریخی اور فلسفیانہ مباحث کا انھوں نے آغاز کر دیا اور اس طرح قرآن کے فنی جمال کی نشاندہی کا موقع ہاتھ سے کھو دیا۔[56] لیکن مصنف نے ان تمام قدیم تفاسیر سے استفادہ اور خوشہ چینی کی ہے۔ تفسیری اختلافات میں پڑنے کے بجائے قرآنی آیات کی اس طرح تشریح کی ہے کہ تمام تاویلوں کی گنجائش نکل آئی ہے۔ اس سے ان کی وسعت ظرف اور فراخی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ متاخرین میں زمخشری کی الکشاف کو قرآن کے حسن و جمال کا کسی قدر شارح سمجھتے ہیں اور اس کی ادبی پہلوؤں سے دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کی نگاہ میں یہ کوشش بھی چنداں کامیاب نہیں ہے۔[57] اعجاز القرآن کے مظہر پر وہ عبدالقاہر جرجانی کو کافی اہمیت دیتے ہیں اور نحوی حیثیت سے تمام علماء پر انھیں فائق قرار دیتے ہیں۔ لیکن آخر میں ان پر تبصرہ یوں کرتے ہیں کہ "بلاشبہ وہ حقیقت کے قریب ضرور پہنچے لیکن اس سے آشنا نہ ہو سکے۔"[58]

جدید علماء میں انھوں نے استاذ محمد عبدہ کو مختلف جگہوں پر نقل کیا ہے اور استاذ امین خولی کے طریقۂ درس کو پسند کیا ہے۔ جدید سائنس دانوں کی تحقیقات سے بھی اقتباسات نقل کئے ہیں اس طرح یہ تفسیر علوم و معارف کا خزانہ بن گئی ہے۔ پھر چونکہ انداز تحریر علمی، مدلل اور فکر انگیز ہے اس لئے جدید ذہن کے لئے تاثیر کا خاصا مواد اس میں موجود ہے۔ یہ تفسیر مصنف کے مسلک سے بغاوت نہیں کرتی بلکہ اسے نئے قالب اور نئے پیراہن میں اس طرح ڈھال دیتی ہے کہ وہی خشک قول دلچسپ اور پرکشش بن جاتا ہے۔

۱۱۔ اعتراف عجز اور تحقیق کا تسلسل

ایک عظیم محقق اور جلیل مفسر جب اپنی تحقیق کی غلطی سے

متنبہ ہوتا ہے اور کسی صاحب فہم کی تنبیہ پر یا مزید تحقیق کے نتیجے میں اپنی کسی پچھلی رائے سے رجوع کرتا ہے تو ایک طرف اس کی تحقیقی دیانت اور علمی ایمانداری سامنے آتی ہے تو دوسری طرف اس کی تحقیق کا مسلسل عمل بھی واضح ہو جاتا ہے۔ سید قطب بھی مختلف مراحل میں اپنی سابقہ رایوں سے رجوع کرتے نظر آتے ہیں کہیں تو ایک سورہ کے بعد دوسری سورہ کی تفسیر کرتے وقت اپنی پچھلی فکر سے براءت ظاہر کر دیتے ہیں اور کہیں پہلے ایڈیشن کے بعد دوسرے ایڈیشن میں حاشیہ پر اپنی تصحیح کرتے نظر آتے ہیں اور معاملہ صرف تفسیر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اپنی تصنیف العدالة الاجتماعية في الاسلام میں بھی بعض اصحاب علم کے توجہ دلانے پر اپنی بعض تحریروں سے دست کش ہو گئے ہیں اور اگلے ایڈیشن میں ان کی تصحیح و تنقیح فرما دی ہے۔

سورہ بقرہ کی آیت حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطى وقوموا لله قانتين کی تشریح کرتے وقت اس آیت کا ربط ماقبل و مابعد بیان کرتے ہوئے اپنی بے بسی کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا "مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ اس مقام پر پہنچنے کے بعد چھ مہینے تک غور کرتا رہا کہ آیت صلوٰۃ طلاق کی آیات کے درمیان کیسے آ گئی؟ مجھے توقع تھی کہ اس وقفہ میں اللہ تعالیٰ مجھ پر حقیقت کھول دے گا مگر کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ قارئین میں سے کوئی صاحب اگر رہنمائی کریں گے تو شکر گزار ہوں گا۔"[59]

فکر فراہیؒ سے تاثر پذیری

مجھے نہیں معلوم کہ سید قطب نے ہندوستانی محقق علامہ حمید الدین فراہیؒ کے افکار قرآنی سے استفادہ کیا تھا یا نہیں لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ بعض تحقیقات و نتائج میں دونوں کی اسلوب سے قریب تر ہیں۔ اس کی وجہ غالباً دونوں کا طریقۂ تدبر اور مطالعۂ قرآن کا یکساں طریقہ ہے۔ دونوں پہلے براہ راست قرآن پر غور کرتے ہیں اور تفاسیر سے استفادہ بعد میں کرتے ہیں۔ دونوں قرآن کے ادب و بلاغت سے مسحور ہو کر اس کے حسن و جمال کو کھولنے کے لئے کوشاں ہیں اور دونوں جدید ذہن کو سامنے رکھ کر اسلام کی صالح حقانیت کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لئے دونوں کے نتائج میں اکثر ہم آہنگی نظر آتی ہے یہاں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

سورہ اعلیٰ کی آیت سنقرئك فلا تنسى إلا ما شاء الله (۶-۷) کی تفسیر کرتے وقت مولانا حمید الدین فراہیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہاں إلا منقطع ہے جس کا ماقبل سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ الا کے بعد ایک نئی بات کہی جا رہی ہے۔ وہ یہ کہ ہم قرآن تمہیں پڑھائیں گے اور تم نہیں بھولو گے۔ ہاں

اللہ کی مشیت ہی سب کچھ ہے۔ ہر کام اسی کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ حفظِ قرآن بھی اسی کی مشیت کے مطابق ہے۔ اس لئے بھولنے کا سوال ہی نہیں ہے۔ اس آیت کی تفسیر عام مفسرین نے بشمول مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور امین احسن اصلاحی یہ کی ہے کہ جو آیتیں عارضی اور ہنگامی نوعیت کی تھیں ان کی ضرورت پوری ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ انھیں بھلا دے گا۔ لیکن سید قطب نے جو تشریح کی ہے اس سے مولانا فراہیؒ کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "یہاں بھی اور قرآن میں جس مقام پر بھی کوئی حتمی وعدہ کیا جاتا ہے یا کوئی دائمی قانون بیان ہوتا ہے اس سے متصل یہ حقیقت ضرور واضح کی جاتی ہے کہ اللہ کی مشیت مطلق اور ہر چیز پر حاوی ہے۔ وہ کسی چیز کی پابند نہیں حتیٰ کہ اس پابندی سے بھی آزاد ہے جو خود اس کے وعدے اور اس کے قانون سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ وعدہ اور قانون سے بھی بالاتر ہے۔ قرآن اس حقیقت کو واضح و ثابت کرنے کے لئے بہت زیادہ متوجہ رہتا ہے جیسا کہ اس سے قبل بہت سے مقامات پر گزر چکا ہے۔ اسی ذیل کی یہ وہ بات جو یہاں بیان ہوئی ہے۔ الا ما شاء اللہ۔ یہ اعلان اس پختہ وعدے کے بعد ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قرآن کو بھولیں گے نہیں۔ یہ اعلان خدا کی مشیت کے عام اور مطلق ہونے کو واضح کرنے کے لئے ہے تاکہ مومن کو یہ معلوم رہے کہ وہ اللہ کی مشیت کے دائرہ کار میں ہے۔

دوسری مثال سورہ فلق کی تفسیر میں ملتی ہے۔ نفّٰثٰت فی العقد کی تشریح میں عام مفسرین نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ رسول اللہؐ کو جادوگروں یا جادوگرنیوں کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اور روایات میں آتا ہے کہ آپؐ پر لبید بن اعصم یہودی نے جادو کر دیا تھا چنانچہ یہ سورتیں نازل ہوئیں تاکہ جادو کو دور کیا جا سکے۔ اس روایت کو بیشتر مفسرین نے تسلیم کر لیا ہے اور مولانا مودودیؒ نے قدیم و جدید اہل علم کی طرف سے وارد شدہ اعتراضات کا مسکت جواب دے دیا ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی مختصر مگر جامع تبصرہ کیا ہے لیکن مولانا امین احسن اصلاحی نے ان روایات کو غیر متواتر ہونے اور عصمت انبیاءؑ کے عقیدہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے رد کر دیا ہے۔ یہی موقف سید قطبؒ کا بھی ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ روایات انبیاء کی عصمت کے عقیدہ کے خلاف ہیں جو فعل اور دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں انھیں حاصل ہوتی ہے اس اعتقاد کے ساتھ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل اور ہر قول سنت و شریعت ہے، ان روایات کا جوڑ نہیں ہے۔ ان روایات کا تصادم اس حقیقت سے بھی ہے کہ قرآن نے رسول اللہ کے مسحور ہونے کی تردید کی ہے اور مشرکین آپ پر مسحور ہونے کا جو الزام لگاتے تھے اس کی

تکذیب کی ہے۔ اس لئے یہ روایات مستبعد نظر آتی ہیں۔ یوں بھی عقیدہ کے معاملہ میں اخبار آحاد پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ عقیدہ کے معاملہ میں مرجع صرف قرآن ہے۔ عقائد کے اصولوں کے معاملہ میں احادیث کو قبول کیا جا سکتا ہے مگر اس کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ وہ متواتر ہوں۔ یہ روایتیں جو آپ کے مسحور ہونے کو بیان کرتی ہیں، متواتر نہیں ہیں۔

یہی اصولی موقف مولانا فراہیؒ کا تھا۔ انھوں نے لکھا ہے کہ خبر اگرچہ متواتر ہو، قرآن کو نہیں منسوخ کر سکتی۔ اس کی یا تو تاویل کریں گے یا اس میں توقف کریں گے لیکن اس کی خاطر قرآن کو منسوخ نہیں کریں گے۔ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور عام ائمہ حدیث، حدیث کو قرآن کے لئے ناسخ نہیں مانتے۔ اگرچہ وہ حدیث متواتر ہو۔ پس جب یہ ائمہ حدیث جو حدیث کے معاملہ میں صاحب البیت کی حیثیت رکھتے ہیں اس بات کے قائل نہیں ہیں تو اس بارہ میں ہم فقہاء و متکلمین کی رائے کوئی وزن نہیں دیتے۔

اسی طرح سورہ عصر کی تفسیر میں مولانا فراہیؒ نے خلافت و اقامتِ دین کا وجوب ثابت کیا ہے اور یہی بات سید قطبؒ نے بھی دوسرے لفظوں میں بیان کی ہے جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔

استاذ محمد عبدہ پر تنقید

استاذ عبدہ، رشید رضا اور عبد القادر مغربی رحمہم اللہ جو قرآن کے جدید مکتب فکر کے سرکردہ ترجمان ہیں، کی عقلی فکر اور تحریک تفسیر کو سید قطب نے سراہا ہے اور اصولاً ان کے موقف سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے لیکن اس پورے مکتب فکر نے قرآن کی جدید عقلیات کی روشنی میں جس طرح توجیہ کی ہے اور غیبی امور اور خوارق و معجزات کی عقلی تاویل کی ہے۔ اس سے مصنف کو شدید اختلاف ہے۔ انھوں نے سورہ فیل کی تاویل و تشریح میں باقاعدہ ان کے اقتباسات نقل کر کے ان کے نظریات کا تجزیاتی مطالعہ کیا ہے اور اصحاب فیل کی عقلی و سائنسی توجیہ پر، جس میں مولانا فراہیؒ بھی شریک ہیں، جرح کی ہے اور ان کے خیال میں یہ واقعہ معمول کے مطابق نہیں بلکہ خارق عادت انداز میں وقوع پذیر ہوا ہے۔ یقیناً اللہ نے جھنڈ کے جھنڈ ایسے پرندے بھیجے جو غیر معمولی قسم کے تھے۔ وہ غیر معروف قسم کے سنگریزے لئے ہوئے تھے اور ان سنگریزوں نے لشکریوں کے جسموں پر غیر معمولی اثرات ڈالے۔ ان معجزاتی آیات کی تاویل کیسے کی جائے اور ان مقامات پر صحیح

طریقہ تفسیر کیا ہو۔ اس پر سید قطبؒ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "قرآنی نصوص پر ہم گزشتہ عقلی نظریات، عام رائج افکار و تصورات یا اس موضوع سے متعلق، جس سے قرآنی نصوص بحث کرتی ہیں، نظریات و افکار کی روشنی میں غور نہ کریں۔ بلکہ ان نصوص پر اس لئے غور کرنا چاہئے کہ ہمیں ان سے اپنے لئے صحیح افکار، ایمانی عقائد، اپنی منطق کے اصول اور اپنے تمام تصورات اخذ کرنے ہیں۔ جب قرآنی نصوص کسی فکر کو پیش کریں تو ہمیں اسے اسی طرح تسلیم کر لینا چاہئے جس طرح نصوص اسے پیش کرتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جسے ہم عقل کہتے ہیں اور جس کی روشنی میں ہم قرآن کے بیان کردہ کائناتی، تاریخی، انسانی اور غیبی حقائق و واقعات کو پرکھنا چاہتے ہیں۔ اس کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ہمارے محدود انسانی وجود کی حدود ہی کے ساتھ محدود ہے۔ ہمارا یہ وجود مطلق وجود کی، جیسا کہ ــــ کا وجود ہے، نمائندگی نہیں کرتا۔ قرآن اسی مطلق وجود سے صادر ہونے والا کلام ہے اس لئے ہمارے لئے فیصلہ کن اتھارٹی یہی کلام ہے (نہ کہ محدود انسانی عقل) قرآن جو کچھ بیان کرتا ہے، اسی سے ہمیں اپنے عقلی تصورات و افکار اخذ کرنے ہیں۔ یہ کہنا کہ قرآن کی اس نص کا مفہوم عقل سے ٹکراتا ہے اس لئے اس کی تاویل ناگزیر ہے۔ جیسا کہ اس مدرسہ فکر سے وابستہ اصحاب کے بیانات اور تحریروں سے معلوم ہوتا ہے بالکل صحیح نہیں ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم نے خرافات کے آگے سپر ڈال دی ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ قرآنی بیانات کے سلسلہ میں عقل فیصلہ کن اتھارٹی نہیں ہے۔ جب قرآنی نصوص کا مفہوم درست اور واضح ہو تو یہ مفہوم ہی ہمیں بتائے گا کہ ہماری عقل اسے کس طرح قبول کرے اور کس طرح ہم اس سے قرآنی فکر و نظر، منطق کو، جو قرآن اپنے مفہوم، اور کائنات کے دوسرے حقائق کو بیان کرنے کے سلسلہ میں اختیار کرتا ہے، اخذ کریں۔"

اس مکتب فکر پر، جس میں سرسید مرحوم سرفہرست ہیں، دوسری تنقید یہ ہے کہ اس گروہ کی فکر میں انتہا پسندی اور مبالغہ کا عنصر موجود ہے اور کامل قرآنی تصور کا دوسرا پہلو ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے یعنی خدائے تعالیٰ کی سنن و قوانین، جنھیں اس نے مقرر فرمایا، خواہ وہ انسانوں کو معلوم ہوں یا نہ معلوم ہوں، کے پیچھے اس کی مشیت مطلقہ اور قدرت کاملہ، یہ پہلو اگر نظروں کے سامنے رہے تو انسانی عقل آخری فیصلہ کن شے قرار نہیں پاتی اور اس عقل کے نزدیک جو کچھ معقول ہے اس کا مقام یہ نہیں رہ جاتا کہ وہی ہر شے اور ہر واقعہ کی اصل حقیقت اور حقیقی توجیہ و تفسیر ہو اور جو کچھ اس معقول کے

مطابق نہ ہو اس کی تاویل لازمی و ناگزیر ہو جیسا کہ اس مدرسہ فکر کے افراد کی تفاسیر میں اس طرح کی باتیں بار بار ہمارے سامنے آتی ہیں۔ انہی اسباب کی وجہ سے سید قطبؒ نے اس گروہ کی تمام عقلی تاویلات و توجیہات کو، جن کی زد قرآنی نصوص اور روایات صحیحہ پر پڑتی ہے، ماننے سے انکار کر دیا ہے اور انکار کا سلسلہ سرسیدؒ اور امام فراہیؒ کی تحقیقات سے بھی متعلق ہے کہ اول الذکر نے تو بالکل من مانی تاویل کی راہ اختیار کیا ہے اور آخر الذکر کا طریقہ تفسیر اور روایات کے تئیں ان کا رویہ اور معجزات و خوارق کی عقلی توجیہ بھی امام عبدہ سے ملتی جلتی ہے۔

بعض نادر تحقیقات

اہل علم کی طرف سے اس تفسیر پر ایک تنقید کی جا سکتی ہے کہ اس کی بعض نادر تحقیقات عام مفسرین کی شاہراہ سے ہٹی ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ الانفطار کی تشریح میں جہاں کلا بل تکذبون بالدین کی تفسیر کرتے ہیں وہاں عقیدہ صوفیاء کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں کہ "بلاشبہ کچھ لوگ زیادہ شفاف اور زیادہ لطیف ہو سکتے ہیں، وہ اپنے رب کی عبادت و اطاعت اس کی محبت کے باعث کرتے ہیں۔ اس کے عذاب کے خوف اور ثواب کی لالچ سے نہیں، لیکن اس کے باوجود وہ روز جزا پر ایمان رکھتے، اس سے ڈرتے اور اس کے منتظر رہتے ہیں تاکہ اپنے رب سے جس سے وہ محبت کرتے ہیں اور جس کی ملاقات کے وہ مشتاق اور منتظر ہیں، ملاقات کر سکیں لیکن جو شخص روز جزا کو جھٹلاتا ہے وہ کسی اخلاق، کسی اطاعت اور کسی نور کا حامل نہیں ہو سکتا۔ اس کا دل زندہ اور اس کا ضمیر بیدار نہیں ہو سکتا۔" بعض صوفیاء نے تو جنت کی طلب اور جہنم سے اجتناب کی خاطر عمل کو ریا و شرک قرار دیا ہے۔ اس فکر کی ترجمانی اسلام کے اصولوں سے میل نہیں کھاتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے شدت سے اس کی تردید کی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ انبیاء اور صحابہ سے بڑھ کر مخلص، واصل اور کون ہو سکتا ہے اور وہ جہنم کے عذاب سے ڈر کر اور جنت کے حصول کے لئے خدا کی بندگی کرتے تھے۔ خود قرآن مجید میں اللہ نے صریح اور زوردار الفاظ میں جنت کے حصول کے لئے مسابقت و مسارعت کی دعوت دی ہے اور جہنم سے بچنے کی بار بار تاکید کی ہے۔

دوسری مثال سورۂ بروج کی ہے جہاں ان الذین فتنوا المؤمنین والمؤمنات ثم لم یتوبوا فلهم عذاب جهنم ولهم عذاب الحریق (۱۰) کی تاویل یہ عام طور پر یہ اختیار کی گئی ہے کہ آج مکہ میں جو لوگ ایمان لانے والوں اور ایمان لانے والیوں کو دین سے

اذیت دینے کے لئے انتہائی ستم برپا کر گئے اور پھر توبہ نہ کریں گے وہ یاد رکھیں کہ اللہ کے نزدیک جہنم کا عذاب جلانے والی آگ کا عذاب ہے۔ یہ آیت عام طور پر مفسرین کے یہاں عام مانی جاتی ہے اور اس کا خطاب تمام مجرمین سے تسلیم کیا جاتا ہے لیکن سید قطبؒ اسے اصحاب الاخدود سے خاص مانتے ہیں اور خوب کا روائے حسن ان کی وضاحت پھر آیت کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جہنم اور شدید آگ کا عذاب ظالموں، فاجروں اور کینہ توز دشمنان حق کا انتظار کر رہا ہے اور جنت کی نعمتوں بھری زندگی ان اہل ایمان کی منتظر ہے جنہوں نے حقیر زندگی پر ترجیح دی اور آگ کی شدید آزمائش میں کامیاب و سربلند رہے۔[۷۴]

اسی طرح سورہ تین میں فما یکذبک بعد بالدین (۷) کی تشریح و ترجمہ میں مفسرین نے عام طور پر دین سے مراد جزا و سزا کا دن لیا ہے جب کہ سید قطبؒ اس سے دین و ایمان مراد لیتے ہیں۔[۷۵] یہاں چند مثالیں پیش کی گئی ہیں ورنہ تلاش کرنے پر اور بھی بہت سی چیزیں نمونے کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں۔

بہر حال سید قطب شہید کی اس تفسیر کو تفسیری دنیا میں ایک اہم کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر حالات نے اجازت دی تو تفہیم القرآن و فی ظلال القرآن کے بیچ تقابلی مطالعہ ایک زیادہ آسانی سے پیش کرنے کی سعادت ملیگی۔ وما تشاءون الا ان یشاء اللہ رب العلمین (تکویر ۲۹) اور تم لوگ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ رب العلمین نہ چاہے۔[۸۱]

تعلیقات وحواشی

٦٦ فی ظلال القرآن ۳۰/۲۷ ۔ ٦٨ نفس مصدر ص ۱۹/۳۳ ۔ ٦٩ التصویر الفنی فی القرآن محولہ بالا ص ۲۶

٧٠ نفس مصدر ص ۳۲ ۔ ٧١ نفس مصدر ص ـــ ۔ ٧٢ اس آیت کا ماقبل و مابعد ربط دیکھنے کیلئے ملاحظہ کیجئے راقم کا مضمون "نظم قرآن اور علمائے ہند" ماہنامہ حیات نو" سرائے میر اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۹۲ء ص

٧٣ فی ظلال القرآن محولہ بالا ۲/۸۳، ۸۵، دوسرا ایڈیشن

٧٤ نفس مصدر ۳۰/۱۳۲-۱۳۵ ۔ ٧٥ نفس مصدر ۳۰/۲۹۳

٧٦ حمید الدین فراہیؒ: مقدمہ تفسیر نظام القرآن، دائرہ حمیدیہ اعظم گڑھ ص ۳۶

٧٧ فی ظلال القرآن ۳۰/۲۵۵-۲۵۶ ۔ ٧٨ نفس مصدر ۳۰/۲۵۵

٧٩ فی ظلال القرآن ۳۰/۹۰ ۔ ٨٠ نفس مصدر ۳۰/۱۱۳

٨١ نفس مصدر ص ۱۹۵

دوسری اور آخری قسط

ذرائع ابلاغ

یہودیت کے پنجے میں

ترجمانی: عبدالحمید اصلاحی، پٹنہ

عرب مسلمانوں اور یہودیوں سے متعلق ٹی وی فلمیں

صدر کینیڈی کے حادثۂ قتل کے حوالے سے یہودیوں نے ایک فلم بنائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ امریکی یہودی صدر امریکہ سے امریکیوں کے مقابلہ میں زیادہ محبت کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک فلم بنائی گئی جس میں حضرت عیسیٰ مسیحؑ کو یہودی جانب منسوب کیا گیا ہے جسے امریکہ اور برطانیہ کے کروڑوں فلم بینوں نے دیکھا۔ اس کے علاوہ دو بھی فلمیں بنائی گئیں۔ ایک میں تو قیام اسرائیل کی داستان ہی سنائی گئی ہے۔ دوسری انگریزی فلم "انگلش کی تعلیم" جسے ٹی وی پر دو سال تک دکھایا گیا اس کے ایک منظر میں گندے ذہن کا مترادف "مسلمان" بتایا گیا ہے۔ فلم کار کو یہ تو بھی زہر کیا ہے۔ ایک فلم میں یہودی خاندان کو تورات کے پیش کردہ اعلیٰ اخلاق کا نمونہ بتایا گیا ہے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ عربوں نے اس طوفان بدتمیزی کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی تیاری نہیں کی۔ صورت حال اس قدر بگڑ چکی ہے کہ ان فلموں کے خریداروں میں اکثریت عربوں کی ہے۔

سینما، فلم کمپنی اور یہود

ٹی وی کی ترقی کے باوجود سینما عوام سے رابطہ کا اہم ذریعہ ہے۔ یہودیوں نے اس حقیقت سے واقف ہونے کے بعد سینما کے ابتدائی دور میں ہی غلبہ حاصل کرنے کی خاطر تگ و دو شروع کر دی تھی۔ نتیجتاً صرف امریکہ کے اندر فلمی میدان میں کام کرنے والے ۹۰ فیصد یہودی ہیں۔ امریکہ کی بڑی بڑی فلم پروڈکشن کمپنیوں، فوکس کمپنی، یونیورسل کمپنی، میٹرو گولڈن مائر کمپنی، کولمبیا کمپنی کے مالک یہی یہودی ہیں۔ امریکہ کی فلم صنعت پر یہودی بلا شرکت غیرے قابض ہیں۔ فلمی صنعت پر ان کا غلبہ اتنا زیادہ ہے کہ دنیا کی پہلی فلم جو تی کا اداکار

"آل جونسن" نامی یہودی تھا۔ یہودی فلم صنعت چار چیزوں کے ارد گرد گھومتی ہے: (۱) جنسی فلمیں، (۲) عرب اور مسلمانوں کی برائی والی فلمیں، (۳) یہودی پروپیگنڈہ پر مشتمل فلمیں، (۴) سیاسی فلمیں۔ جنسی فلموں کا بیان ہمارے لئے ناممکن ہے۔ عربوں اور مسلمانوں کی برائی کا اظہار کرنے والی فلموں کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ یہ یہودیوں کے لئے بڑا وسیع میدان ہے۔ ۱۹۰۵ء میں "عرب اتیم" اور ۱۹۲۱ء میں "جناب شیخ" نام کی فلمیں بنیں جن میں عربوں کو شہوت پرست انسان کے روپ میں دکھایا گیا۔ حال ہی میں "عربی راتیں" نام کی ایک فلم بنی ہے جو "جنس" سے متعلق ہے جس میں عرب اور عربی تہذیب کے ساتھ ساتھ دختران اسلام کی کھلی توہین کی گئی ہے۔ "بدیہ" نام کی فلم عربوں کے خلاف بنائی گئی جو فلموں میں سب سے گندی اور انسانیت سوز ہے جس میں کچھ بدکردار عربی افراد کی بیگمات کو ہوٹل کے ایک جوڑے ملازم کے ساتھ لوٹتے دکھایا گیا ہے۔ رویرٹ گولڈ اسمتھ نامی انگریز یہودی نے یہ فلم بنائی ہے جس کی بیٹی نے اس فلم میں اداکاری کی ہے۔ فلم "شہزادہ" میں خلیفہ ہارون رشید کو مخنث کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ فلم "امریکہ امریکہ" میں عربوں کو جنگی آخری نبی شہنشاہ دو عالم (فداہ ابی و امی) کے جاں نثاروں، توحید کے علمبرداروں کو قتل و غارت گری اور بدکرداری میں مبتلا بتایا گیا ہے۔ "جریم اور پردوکوں" نام کی فلمیں بھی انتہائی اہانت آمیز ہیں۔

یہودیوں کی بڑائی پر مشتمل فلمیں

یہودیوں کی برتری ثابت کرنے اور یہودیت کا پروپیگنڈہ کرنے والی فلمیں بنائی گئیں۔ ۱۹۳۷ء میں "شہنشاہ" فلم بنی جس میں یہود کو نسل مسیح سے برتر قرار دیا گیا ہے۔ ۱۹۳۹ء میں "نازی جرنل کا اعتراف" نامی فلم پیش کی گئی جس کا مرکزی موضوع یہودیت کا دفاع اور نازیوں پر یلغار ہے۔ ۱۹۴۷ء میں یہودیت سے تعلق رکھنے والوں (یعنی مسلمانوں) پر فلمیں بنا کر سخت حملے کئے گئے۔ ان کے علاوہ کچھ نئی فلمیں منظر عام پر لائی گئی ہیں۔

افسوسناک امر ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ایک عربی مسلمان سرمایہ دار نے ایک ایسی فلم پر اپنا سرمایہ لگایا ہے جو واضح طور پر یہودیت کا پرچار کرتی ہے۔ فلم "حقتا" یہودیت کی تائید میں سب سے آگے ہے۔

سیاسی فلمیں

امریکی عوام کی سیاسی زندگی کو بھی یہود نے نظر انداز نہیں کیا ہے۔ بھی خاصی تعداد ان فلموں کی ہے جو امریکی رائے عامہ ہموار کر کے ان کے اغراض و مقاصد کو فروغ دیتی ہے۔ واٹر گیٹ اسکینڈل سے متعلق بھی فلم بنائی گئی ہے۔

اشتہارات

ان خبیثوں نے تجارتی اشتہارات کی اہمیت اور رائے عامہ پر اس کی سلبی یا ایجابی اثر پذیری کو محسوس کر کے اشتہارات اور اس کے نشر کے مختلف وسائل کو اپنے اغراض و مقاصد اور پروپیگنڈہ کے لئے غلط طور پر استعمال کیا۔ اس میں انھوں نے اپنے آپ کو اپنے حقوق کے لئے جد و جہد کرنے اور دوسروں کو شہوت پرست اور لالچی بتایا ہے۔ تجارتی اشتہارات کی اکثر ایجنسیوں پر قابض یہود عربی مسلمانوں کو جنس زدہ اور ناکارہ شخص بنا کر پیش کرتے ہیں!

پروپیگنڈہ اور اعلانات کے اداروں پر اس قوم کے تسلط کا اندازہ لگانے کے لئے درج ذیل حقائق کافی ہیں:

- اسرائیلی شہری "یابوٹنا" امریکہ میں اشتہارات و اعلانات کا بے تاج بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔
- فرانسیسی یہودی "فلاڈیر فولوف" فرانس میں اشتہارات کا پروپیگنڈہ کا بڑا اسپیشلسٹ ہے۔
- امریکہ کی دس اہم ترین اشتہاری کمپنیوں پر یہود کا مکمل قبضہ ہے۔ ان کے علاوہ دوسری کمپنیوں میں بھی ان کو قابو حاصل ہے۔ (المجتمع کویت)

مسلمانو! غور کرو۔ مسلمانوں کے وہ ہاتھ جو صرف فولادی تلواروں کے لئے بنے ہوئے تھے، آج طاؤس و رباب کے تاروں میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ مسلمانوں کی زبانیں جو حق و صداقت کے لئے ہی کھلا کرتی تھیں، آج فحش نغموں اور فلمی گانوں کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کا ذوق جو آیات قرآنی اور کلمۂ توحید حجازی لے سننے کے لئے بیتاب ہوا کرتا تھا، آج محمد رفیع کی آواز اور قوالیوں کے شر کی نذر ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کی نگاہیں جو پرچم اسلام کی سربلندی اور باطل کی پسپائی ہی دیکھا کرتی تھیں، آج فلموں کی عریاں تصویریں، ٹی وی سے نشر ہونے والی فحاشیوں اور بازاروں کی رقاصاؤں کو دیکھنے کے لئے وقف ہو چکی ہیں۔ عیش و عشرت نے ایسا مدہوش کر دیا ہے کہ دنیا کے ایک کونے میں مسلمانوں کا بلیدان ہو رہا ہے مگر دوسری طرف سعودی عرب کے شاہ کے لئے ۶۶ کروڑ ڈالر کا شیش محل تیار ہو رہا ہے۔ مسلمانو! کیا ہم وہی مسلمان ہیں یا وہ مسلمان جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود؟؟؟ ●●

غزلیں

عزیز بگھروی

شیشہ میں زندگی کو اتارا نہ جائے گا — اس کج ادا کو راہ پہ لایا نہ جائے گا
لو دے گا زخم زخم تو چمکے گا داغ داغ — سچائیوں کا خون چھپایا نہ جائے گا
شمعِ قمر جلاؤ کہ قندیلِ آفتاب — آنکھوں کا بے بصر کی اندھیرا نہ جائے گا
طوفان سر اٹھائے کہ بجلی کوئی گرے — گل کی ہنسی، کلی کا چٹکنا نہ جائے گا
نقشِ سجاؤ تم کہ صلیبیں کھڑی کرو — یہ انقلابِ وقت ہے، روکا نہ جائے گا
اچھا ہوا کہ فکرِ نشیمن سے بچ گئے — احسان بجلیوں کا بھلایا نہ جائے گا
اب بے قراریوں سے ہی شاید سکوں ملے — آسودگی میں دل کا تڑپنا نہ جائے گا
دل کی جہاں ہے قدر نہ قیمت ضمیر کی — اس انجمن میں ہم سے تو جایا نہ جائے گا

کرتا ہے تشنگی کا مداوا بھی عزیز
چل کر کسی کے پاس تو دریا نہ جائے گا

فیصل اعظمی

ساقی بھی تھا، شراب بھی، موسم بھی راس تھا
لیکن مرے نصیب میں خالی گلاس تھا
چپ تھا میں کہ ضبط کی رسوائیاں نہ ہوں
چہرے پہ رنج و غم کا مگر انعکاس تھا
تہذیب و فن کے چہرے نکھر کر گلاب تھے
جب تک بصیرتوں کا قلم میرے پاس تھا

اب مجھ کو گھر کے لوگ بھی پہچانتے نہیں
حالانکہ مجھ سے سارا زمانہ شناس تھا
رقصاں تمام شہر تھا جب میرے قتل پہ
کچھ سوچ کے مگر مرا قاتل اداس تھا
جس سے تمام شہر جہاں دیدہ ہو گیا
وہ میری کاوشوں کا حسیں اقتباس تھا
غنچے تعصبات کے شعلوں میں جل گئے
فیصل یہ حادثہ بھی بڑا بے قیاس تھا

مجاہد لکھیم پوری

بھاگنا ممکن نہ پھر ہوگا، گھروں سے
ہو گیا اونچا اگر پانی سروں سے
ریت پر رکھیں، جو بنیادِ نشیمن
کیا کریں امید ان دانشوروں سے
خود بھی رہزن بن کے، اکثر لوٹتے ہیں
بچ کے رہنا دوست، ایسے رہبروں سے
قوتِ پرواز تو باقی رہے گی
اڑ نہ پائیں گے اگر ٹوٹے پروں سے
کوئی بھی سمجھا نہ ہمارے درد و غم کو
سب نے دیوانے کو مارا پتھروں سے
اب تو اپنے بھی نہیں اپنے، مجاہد
کیا ہو امیدِ وفا، پھر دوسروں سے

اسلام میں داڑھی کا مقام

از قلم: حافظ خالد محمود خضر

اللہ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے ہمیں دین اسلام جیسی عظیم نعمت سے نوازتے ہوئے خیر امت میں شامل کیا ہے جس کا مقصد اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ لوگوں کی اصلاح کرنا، برائیوں کو روکنا، بھلائیوں کو فروغ دینا، ایک صالح معاشرے کی تشکیل کرنا اور خدا کی اس زمین پر خدا کی حکومت قائم کرنا ہے۔ چنانچہ ہم ایک طرف اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبہ و اقامت دین کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے اس راہ میں اپنی جانوں کے نذرانے دینے کے لئے تیار رہتے ہیں تو دوسری طرف خود اپنی زندگیوں میں بھی اسلامی تعلیمات کے مطابق انقلاب برپا کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ ہم نے تو جس دین کو دین حق سمجھا ہے اس کے نظام عدل و قسط کے فیوض و برکات سے پورے عالم کو مستفیض کرنا چاہتے ہیں حتیٰ کہ ہم اپنے قریبی عزیز اقربا، اپنے گھر اور اپنی ذات کو اس کے انوار سے محروم رکھنا نہیں چاہتے لیکن ذرا تھوڑی دیر کے لئے ہم غور کریں کہ آیا یہ ہماری صرف تمنا ہی ہے یا ہم اس سلسلے میں عملی پیش قدمی کر رہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم جس اسلام کی دعوت کو پوری دنیا میں عام کرنا چاہتے ہیں اسے ابھی اپنے چہرے سے گھر میں بھی عام نہیں کر سکے اور جس حاکم حقیقی کے حکم کو پوری دنیا کے انسانوں پر نافذ کرنا چاہتے ہیں اسے اپنے پانچ چھ فٹ کے جسم پر بھی نافذ و جاری نہیں کر سکے اور اگر ہم از خود یہ جتلا دیں کہ ہم اپنی ایسی ہی کوششوں سے معاشرے و ملک میں کوئی قابل لحاظ تبدیلی لا سکیں گے تو

این خیال است و محال است و جنوں

اس لئے ضروری ہے کہ ہم پہلی فرصت میں قرآن و سنت کے مطابق پہلے اپنی اصلاح و تربیت کریں، ہمارا ظاہر و باطن دونوں اسلام کے عین مطابق ہو۔ باطنی طور پر ہم ایمان حقیقی، تقویٰ، خدا ترسی اور اسلامی اخلاق سے مزین ہوں تو ہمارے ظاہر میں بھی اس نقشے کا عکس موجود ہو جو نقشہ ہمیں حدیث کی

کی کتابوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی ظاہری وضع قطع اور حالات کے متعلق ملتا ہے۔ ظاہری وضع قطع کے ضمن میں ایک نہایت اہم چیز سنت نبویؐ کے مطابق چہرے کا مزین ہونا ہے۔ پیش نظر تحریر میں دین میں داڑھی کی اہمیت واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی شرعی مقدار کی طرف بھی توجہ دلائی جائے گی تاکہ اس معاملے میں کوتاہی کرنے والے حضرات اپنے عمل کی اصلاح کیطرف مائل ہو سکیں۔

تقاضائے فطرت

فطرت انسانی میں بھلے برے کی تمیز فاطر فطرت کی طرف سے ودیعت شدہ ہے اور ایک سلیم الفطرت اور سلیم الطبع انسان اپنے نور فطرت کی روشنی ہی میں ایسی وضع قطع اختیار کر سکتا ہے جو احسن الخالقین کے منشاء کے مطابق ہو۔ چنانچہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

عشر من الفطرة، قص الشارب، واعفاء اللحية، والسواك، واستنشاق الماء، وقص الاظفار، وغسل البراجم، ونتف الابط، وحلق العانة، وانتقاص الماء ..... الخ (مسلم، باب خصال الفطرة)	دس چیزیں فطرت سے ہیں۔ مونچھیں کتروانا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈال کر ناک صاف کرنا، ناخن کاٹنا، انگلیوں کے جوڑوں کے اوپر کے حصے کو صاف رکھنا، بغل کے بال صاف کرنا، زیر ناف کے بال صاف کرنا، پانی سے استنجاء کرنا اور راوی کا بیان ہے کہ وہ دسویں چیز بھول گیا۔

اس حدیث کی تشریح میں محدثین کرام نے اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان فطری امور کو ترک کر دینے والا شرف انسانیت سے محروم ہو جاتا ہے اور اگر کسی کی صورت انسانوں جیسی ہی نہ رہی تو مسلمانوں جیسی کہاں رہے گی۔

ابلیس لعین جب نافرمانی و سرکشی کے باعث بارگاہ رب العزت سے دھتکارا گیا تو اس نے بنی آدم کو گمراہ کرنے کی قسم کھائی تھی اور کہا تھا:

ولآمرنهم فليغيرن خلق الله۔	اور میں ان کو حکم دوں گا جس سے وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ داڑھی منڈانا بھی اس صورت بگاڑنے میں

شامل ہے۔ گویا آدم کا ازلی دشمن شیطان مردود ابن آدم کو راہ ہدایت سے بھٹکانے اور گمراہی کے گڑھے میں دھکیلنے کے لئے جو ذرائع اور ہتھکنڈے اختیار کرتا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسے خوبصورت بننے کا جھانسہ دے کر اسے اس کی فطری زینت سے محروم کر دیتا ہے۔

جملہ انبیاء کی سنت

قرآن میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وہ ممتاز اور برگزیدہ ہستیاں ہیں جن کا نور فطرت درجۂ کمال کو پہنچا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ نور وحی کا اتصال نور علیٰ نور کا مصداق کامل ہے ...... یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء نے مذکورہ بالا حدیث میں "فطرت" سے سنت انبیاء مراد لی ہیں یعنی مذکورہ دس چیزیں (جن میں سے دو یہی مونچھوں کا کٹوانا اور داڑھی کا بڑھانا ہیں) جملہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں میں سے ہیں جو بلا شک و شبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے اور ہمیں ان کی اقتداء و پیروی کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ سورۃ الانعام کے رکوع نمبر ۱۰ میں اٹھارہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی ذکر کر کے فرمایا گیا کہ انبیائے کرام کی برگزیدہ جماعت ہی صراط مستقیم پر گامزن تھی اور اس کے ساتھ ہی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ۔	یہ (انبیاء) ہی ایسے حضرات تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دی تھی۔ تو آپ بھی انہی کے طریقے پر چلیے۔

(الانعام ۹۰)

اتباع رسول کا تقاضا

دنیا کا عام دستور ہے کہ لوگ جس شخصیت سے محبت کرتے ہیں یا کسی وجہ سے اس سے متاثر ہوتے ہیں، اس کی وضع قطع و چال ڈھال اختیار کرنے کو باعث فخر سمجھنے لگتے ہیں۔ چنانچہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب آنجہانی ماؤزے تنگ کی "ماؤ کیپ" سوشلسٹ دنیا کے علاوہ ہمارے یہاں کے ماؤ نواز حلقوں میں بھی بہت زیادہ مقبول ہوئی تھی۔ اسی طرح بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح سے اظہار عقیدت کے طور پر ان کی ٹوپی اور شیروانی نے ہمارے لئے قومی لباس کا درجہ اختیار کر لیا۔ سکھ مذہب کے پیروکار اسی انتہا پر پہنچے کہ اپنے گرو گوبند سنگھ کے اتباع میں انہوں نے خلاف فطرت پابندیوں کو بھی قبول کیا اور ان کے بال سر اور داڑھی تو

درکنار جسم کے کسی بھی حصے سے بال کٹوانا حرام قرار دیا لیکن ایک ہم ہیں جو دین فطرت کے پیروکار ہوتے ہوئے اپنے اس آقا و مولا اور محسن و مربی کی وضع قطع ترک کرنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں جس نے انسان کو حیوانیت کی سطح سے بلند کر کے تہذیب و تمدن کا شعور بخشا۔ یہ ہمارا محض المیہ ہے کہ ہماری زبانیں اپنے محترم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح و نعت کرتے اور ان سے عشق و محبت کا دم بھرتے نہیں تھکتیں لیکن ہم حضور کی پسند اور ناپسند کو اپنی پسند و ناپسند کا معیار نہیں بنا سکتے۔ ہم صدیوں تک ہندوؤں کے ساتھ رہتے رہتے ان کی معاشرت کے خوگر ہو گئے اور ہماری معاشرتی رسومات پر ہندوانہ تمدن کی گہری چھاپ پڑ گئی۔ رہی سہی کسر انگریز کے دور غلامی نے نکال دی اور ہماری نگاہیں مغربی تہذیب کی چکاچوند سے اس طرح خیرہ ہوئیں کہ وہ قوم جو دنیا کو تہذیب و تمدن اور آداب معاشرت سکھانے آئی تھی وہ اغیار کی تہذیب اپنانے کو اپنے لئے باعث فخر سمجھنے لگ گئی اور ہم نے یورپی لباس زیب تن کرنے اور ٹائی کا پھندا اپنی گردنوں میں ڈالنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے چہروں کو بھی سنت نبوی کے جمال سے محروم کر ڈالا۔

امت مسلمہ اگر محض رسم دنیا اور دستور زمانہ ہی کی رعایت کرتی تو پھر اپنے قائد حقیقی کی ایک ایک سنت اس قابل تھی کہ اسے حرز جاں بنایا جاتا۔ لیکن اس پر مستزاد یہ کہ خود خالق کائنات نے ہمیں حضور کے اتباع کا حکم فرمایا۔ قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی اعلان کرا کے فرمایا گیا:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم۔	(اے نبی! اہل ایمان سے) کہہ دیجئے، اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، نتیجۃً اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔

گویا اتباع رسول کا راستہ محبوبیت الٰہی کا راستہ ہے۔ اللہ کے محبوب کا اتباع کرنے والا خود اللہ کا محبوب بن سکتا ہے اور اتباع کا تقاضا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نورانی سنتوں سے اپنی شخصیتوں کو منور کیا جائے۔

بعض لوگ اس بنیاد پر داڑھی اور دیگر سنتوں کا التزام ضروری نہیں سمجھتے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ان عادات کا تعلق آپ کے شخصی مزاج، قومی طرز معاشرت اور اپنے عہد کے عرف سے تھا

لیکن ان حضرات کا استدلال قرآن و حدیث کی روشنی میں اس طرح غلط ہے کہ اولاً تو قرآن نے اتباعِ رسولؐ کا حکم دیا ہے، اور اتباع کا دائرہ آپؐ کی تمام سنتوں کو محیط ہے، خواہ وہ ایسی عظیم سنت ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی اس کا قیام و نفاذ ہو، اور خواہ وہ اس کی نسبت سے وہ چھوٹی چھوٹی سنتیں ہوں جن کا تعلق آپؐ کی روزمرہ زندگی کے معمولات سے ہو۔ اور ثانیاً اس بات کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ ایسی تمام سنتیں جنہیں حضورؐ نے کبھی ترک نہ فرمایا ہو اور امت کو انہیں اختیار کرنے کا حکم بھی فرما دیا ہو، ان کا تعلق حضورؐ کے اپنے معاشرے کے رسم و رواج اور آپؐ کے عہد کے تمدن تک محدود نہیں رہتا بلکہ یہ دین میں سننِ مؤکدہ کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں، جن پر عمل ہر امتی کے لئے لازمی و ضروری ہوتا ہے اور جن کا ترک کرنا اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کے زمرے میں آتا ہے۔ معلوم نہیں کہ اس قسم کے مغالطے پیدا کرنے والے حضرات کو قرآن کریم کے صفحات میں یہ آیت مبارکہ کیوں نظر نہیں آتی:

ما آتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔

یعنی رسولؐ تمہیں جس بات کا حکم دیں اس پر کاربند ہو جاؤ اور جس چیز سے روکیں اس سے مجتنب ہو جاؤ۔

داڑھی کا وجوب فرمانِ نبوی سے

داڑھی کی ضرورت و اہمیت کے بارے میں مندرجہ بالا نکات یعنی اس کا تقاضائے فطرت ہونا، جملہ انبیائے کرام علیہم السلام کا بالاجماع اس کو اختیار کرنا اور خصوصاً نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا اس سنتِ مبارکہ پر ہمیشہ عمل پیرا رہنا ایسے نکات ہیں جن سے داڑھی رکھنے کے وجوب پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ گویا اگر بالفرض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم داڑھی رکھنے کا صراحۃً حکم نہ دیتے تو بھی امت کے لئے اس پر عمل لازم تھا، لیکن اس بارے میں ایک دو نہیں، متعدد احادیث نبوی ملتی ہیں جن میں آنحضورؐ نے صراحت کے ساتھ اور بڑے تاکیدی انداز میں صرف داڑھی رکھنے ہی کا نہیں داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا شرعاً اس کے واجب ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اس سلسلے کی احادیث بخاریؒ، مسلمؒ، مالکؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ اور دیگر محدثین نے روایت کی ہیں۔

۱۔ عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: انھکوا الشوارب وأعفوا اللحی۔ (بخاری)

۲۔ أحفوا الشوارب وأعفوا اللحی۔ (مسلم، ترمذی، موطا امام مالک، ابوداؤد، نسائی)

دونوں احادیث کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی مونچھوں کو خوب کم کرو اور داڑھیوں کو خوب بڑھنے دو۔

۳۔ خالفوا المشرکین وفروا اللحی وأحفوا الشوارب۔ (بخاری)

وفی روایۃ: اوفروا اللحی وأحفوا الشوارب۔ (مشکوٰۃ۔ قدیمی کتب خانہ)

۴۔ خالفوا المشرکین أحفوا الشوارب وأوفوا اللحی۔ (مسلم)

ان دونوں احادیث کے معنی یہ ہوئے کہ مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھوں کو خوب باریک کرو اور داڑھیوں کو خوب بڑھاؤ۔

۵۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزوا الشوارب وأرخوا اللحی، خالفوا المجوس۔ (مسلم بحوالہ جامع الاصول)

وفی روایۃ: وأرخوا اللحی بالخاء المعجمۃ۔

وفی روایۃ اخری: وأرجوا اللحی بالجیم واصلہ ارجئوا۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مونچھوں کو کترنے میں مبالغہ کرو اور داڑھیوں کو خوب زیادہ کرو، مجوسیوں کی مخالفت اختیار کرو۔)

مندرجہ بالا احادیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے داڑھیاں بڑھانے کے لئے امرِ صریح کے چھ صیغے نقل ہوئے ہیں: أعفوا، أوفوا، أرخوا، أرجوا، وفّروا اور اُوفِروا۔ اور ان چھ میں سے کسی ایک کے معنی بھی فقط داڑھی رکھنے کے نہیں ہیں بلکہ داڑھی بڑھانے، بڑھنے دینے، خوب زیادہ کرنے اور اسے اپنے حال پر چھوڑ دینے کے ہیں۔ اور اصول ہے کہ "الامر للوجوب" یعنی امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور خارجی قرائن کے بغیر اس سے اباحت یا استحباب مراد نہیں لیے جا سکتے۔ چنانچہ اس ضمن میں اتنی تاکید اور مختلف انداز سے امر کی اس تکرار فقہاء کے نزدیک اس مسئلے کے واجب شرعی ہونے کی واضح دلیل ہے اور اس سے گریز و انحراف کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔ اتنی تصریح کے باوجود بھی اگر کسی نے اپنے ذہن میں اس خیالِ خام کو جگہ دے رکھی ہو کہ [illegible]

میان ام محض اخلاقی طور پر آیا ہو تو ان کے اس شبہ کا ازالہ مندرجہ ذیل حدیث سے ہو جانا چاہئے:

عن عبد الله ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم انه امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحى - وفي رواية اعفاء اللحية۔ (مسلم، موطا، ترمذی)

(عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے مونچھیں پست کرنے اور داڑھیاں بڑھانے کا حکم دیا ہے۔)

یہ احادیث ان حضرات کے پیدا کردہ مغالطے دور کرنے کے لئے بھی کفایت کرتی ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے داڑھی سے متعلق صرف یہ ہدایت فرمائی ہے کہ رکھی جائے۔ حالانکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے محض داڑھی رکھنے کا نہیں بلکہ بہ اعادہ داڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی خشخشی فرنچ کٹ اور بقول مولانا ظفر علی خان مرحوم "موئے دیدار علی کی داڑھی" کی قسم کی داڑھیاں شارع علیہ السلام کا مطلب پورا نہیں کرتیں۔

داڑھی منڈانے میں کفار سے مشابہت

مندرجہ بالا احادیث میں خالفوا المشرکین اور خالفوا المجوس کے الفاظ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ داڑھی منڈانا اور پست کرنا مشرکین اور مجوسیوں کا شیوہ تھا۔ لہٰذا ان کی مخالفت میں داڑھیاں خوب بڑھانے کا حکم دیا گیا۔ کفار کی مشابہت اختیار کرنے سے بچنا اور ان کی وضع قطع اور طور طریقوں کی مخالفت دین کی مستقل تعلیم ہے۔ چنانچہ حدیث نبوی ہے:

من تشبه بقوم فهو منهم۔ (احمد۔ ابوداؤد)

(جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی تو (انجام کار) وہ انہی میں سے ہوگا۔)

دنیا میں کسی بھی قوم و مذہب کا مستقل وجود اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے اور باقی رہ سکتا ہے جبکہ وہ وضع قطع، اور تہذیب و ثقافت میں اپنی امتیازی خصوصیات برقرار رکھے۔ چنانچہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ ملتِ اسلامیہ ان نظریاتی اور عملی امتیازات کا دل و جان سے تحفظ کرے جو دینِ اسلام کو دیگر مذاہب سے ممتاز کرتے ہیں اور جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں کی اس کے باغیوں اور سرکشوں سے تمیز کی جا سکتی ہے۔ انہی امتیازات کو شعائر اسلام کہا جاتا ہے اور ان میں داڑھی بھی اسلام کا ایک اہم شعار ہے۔

داڑھی منڈانے میں عورتوں سے مشابہت

داڑھی نہ رکھنے میں جہاں اللہ اور اس کے رسولؐ کی صریح نافرمانی کے علاوہ کفار سے مشابہت کے گناہ کا پہلو بھی ہے وہاں اس عملِ قبیح میں گناہ کا ایک مزید پہلو عورتوں سے مشابہت کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ جسمانی حیثیت عطا فرمائی ہے اور اسے سخت ناپسند کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کریں۔ قاری محمد طیب صاحب "داڑھی کی شرعی حیثیت" میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر وہ تشبہ (یعنی تشبہ بالکفار) اس وجہ سے گناہ تھا کہ اس سے دو گروہوں کا خصوصیاتی فرق مٹ کر حدود الٰہی کی تخریب ہو جاتی تھی تو یہ تشبہ (یعنی تشبہ بالنساء) بھی اسی لئے گناہ ہوگا کہ اس سے دو صنفوں کا خصوصیاتی فرق مٹ کر حدودِ خداوندی کی تخریب ہوتی ہے۔ اسی لئے شریعت نے اس تشبہ کو بھی خواہ مرد عورت سے کرے یا عورت مرد سے، لعنت قرار دیا ہے کہ یہ خدا کی بنائی ہوئی حدود کو مٹانا ہے۔"

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کرتے ہیں:

لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال۔

(اللہ نے لعنت بھیجی ہے عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر اور مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر۔)

داڑھی منڈانا مثلہ ہے

کسی کے ناک، کان وغیرہ کاٹ کر شکل بگاڑ دینے کو مثلہ کہا جاتا ہے جو شریعت میں حرام ہے خواہ یہ سلوک کسی دوسرے فرد یا جانور کے ساتھ کیا جائے یا خود اپنی شکل و صورت کے ساتھ۔ قاضی محمد شمس الدین صاحب نے اپنی تصنیف "داڑھی کی اسلامی حیثیت" میں طبرانی کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے:

قال النبي صلى الله عليه وسلم من مثل بالشعر فليس له عند الله من خلاق۔

(نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے (داڑھی کے) بالوں کا مثلہ کیا اس کا اللہ کی رحمت میں کوئی حصہ نہیں۔)

کتابِ مذکور میں مختلف حوالوں سے وضاحت کی گئی ہے کہ اس حدیث کی تشریح میں شارحین حدیث

سے بالوں کے مثلہ سے داڑھی کے بالوں کا مونڈنا یا دور کرنا ہی مراد لیا ہے اور فتاویٰ کی تجدید میں اس حدیث کو داڑھی منڈانے کے حرام ہونے پر بطور استدلال پیش کیا گیا ہے۔

صحابہ کرامؓ بھی داڑھی کے دور کرنے کو مثلہ ہی سمجھتے تھے چنانچہ جنگ جمل کے موقع پر جب بصرہ کے گورنر حضرت عثمان بن حنیف کی داڑھی نوچ ڈالی گئی تو اسے مثلہ ہی کہا گیا۔ فقہاء نے بھی داڑھی کے نوچنے یا مونڈنے کو ناک یا کان کاٹنے کی طرح مثلہ ہی قرار دیا ہے۔ وہ اسے قابل تاوان جرم ٹھہراتے ہیں چنانچہ اگر کوئی کسی شخص کی داڑھی زبردستی مونڈ ڈالے تو مونڈنے والے پر ناک کان کی دیت کے برابر دیت لازم ہوگی کیونکہ اس نے ایک شخص کا جمال ضائع کر دیا۔ (ملاحظہ ہو ہدایہ، کتاب الدیات)

پس ثابت ہوا کہ داڑھی منڈانے والے حضرات خود اپنا مثلہ کرتے ہیں اور اللہ کی بنائی ہوئی شکل و صورت کو بگاڑتے ہیں اور ایسے لوگ حدیث نبویؐ کی رو سے اللہ کی رحمت سے محروم ہیں۔

واضح رہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک مونچھوں کا استرے سے مونڈنا بھی مثلہ ہے کیونکہ احادیث میں مونچھیں کترنے، خوب باریک کرنے اور کاٹنے میں مبالغہ کرنے کا حکم ہے۔ کہیں بھی استرے سے مونڈ ڈالنے کا حکم نہیں ہے۔

داڑھی منڈانا قوم لوط کا عمل

علامہ آلوسیؒ نے "روح المعانی" میں ابن عساکر وغیرہ کے حوالے سے حضرت حسنؓ سے مرسلاً رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ قوم لوط میں دس خصلتیں تھیں جن کی وجہ سے وہ ہلاک کی گئی، اغلام بازی کے علاوہ دیگر بد خصلتوں کے داڑھیاں منڈانا اور مونچھیں بڑھانا بھی روایت کیا ہے۔

داڑھی منڈانے والوں سے حضورؐ کا اظہار ناپسندیدگی

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے اپنے رسالہ "داڑھی کا وجوب" میں اور قاضی شمس الدین صاحب نے "داڑھی کی اسلامی حیثیت" میں مستند تاریخی حوالوں سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ کسریٰ شاہ ایران کے پاس جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پہنچا تو بہت غصے ہوا اور اس کو چاک کر دیا اور یمن میں اپنے گورنر باذان کو حکم بھیجا کہ اس شخص (محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیجا جائے۔ چنانچہ باذان نے اس مقصد کے لئے ایک فوجی دستہ مامور کیا۔ اس دستے کے دو افسر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو رعب نبوت کی وجہ سے

ان کی ٹانگیں اور گردن تھرتھرا رہی تھیں۔ مجوسیوں کے دستور اور فیشن کے مطابق ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ شکل بہت ناگوار گزری اور آپ نے اپنا رخ انور ان سے پھیر لیا اور فرمایا تم پر ہلاکت ہو، کس نے تمہیں ایسا حلیہ بنانے کا حکم دیا؟ انھوں نے کہا کہ ہمارے رب (کسریٰ) نے۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن میرے رب نے تو مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کتروانے کا حکم دیا ہے۔

ہمارے لئے غور و فکر کا مقام ہے کہ جب غیر مسلم سفیروں کی اس خلاف فطرت شکل و صورت سے آنحضورؐ کو اتنی تکلیف پہنچی کہ آپؐ نے التفات سے منہ پھیر لیا تو قیامت کے روز اپنے امتیوں کی ایسی ہی مکروہ صورت سے آپؐ کو کتنی تکلیف ہوگی اور اگر وہ ذات اقدسؐ ہی ناگواری اور بیزاری سے منہ پھیر لے جن کی شفاعت پر ہماری امیدیں وابستہ ہیں تو یہ کتنا بڑا خسارہ اور کس قدر محرومی ہوگی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کی کیفیت

آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کی کیفیت اور مقدار کی مندرجہ ذیل احادیث سے بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو پانی کی ایک لپ لے کر اپنی ٹھوڑی کے نیچے داخل کرتے۔ پس اس سے اپنی داڑھی کا خلال فرماتے اور کہتے کہ اسی طرح میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے۔ (ابوداؤد۔ بحوالہ مشکوٰۃ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کا خلال فرمایا کرتے تھے۔ (ترمذی و دارمی۔ بحوالہ مشکوٰۃ)

خلال کے اصطلاحی معنی وضو کے دوران ہاتھوں کی انگلیوں کو داڑھی کے بالوں میں اندر کی جانب سے داخل کر کے باہر کو نکالنا ہیں۔ مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک دراز تھی ورنہ چھوٹی داڑھی میں خلال کی کیا ضرورت ہے وہاں تو پانی خود بخود جلد تک پہنچ جاتا ہے۔

اب چھوٹی چھوٹی اور خشخشی داڑھیوں والے حضرات کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ نہ صرف ان کی داڑھیاں سنت نبویؐ کے مطابق نہیں ہیں بلکہ وہ وضو میں داڑھی کا خلال کرنے کی سنت سے بھی

محروم رہ جاتے ہیں

ایک اور حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کی کیفیت اس طرح بیان کی گئی ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كث اللحية تملأ صدره۔

(ترمذی۔ بحوالہ داڑھی کی اسلامی حیثیت)

(رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم گھنی داڑھی رکھتے تھے جو آپ کے سینہ مبارک کو بھر دیتی تھی)

حضرت عبد اللہ بن سخبرہؓ کی حدیث میں جسے بخاریؒ اور ابو داؤدؒ نے روایت کیا ہے، حضورؐ کی ریش مبارک کے گھنا اور دراز ہونے کی یہ کیفیت منقول ہے کہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے صحابہ کرامؓ سری نمازوں میں آپؐ کی داڑھی کی حرکت دیکھ کر سمجھ لیا کرتے تھے کہ آپ قرأت فرما رہے ہیں۔

اسی طرح کئی اور احادیث سے بھی آپؐ کی ریش مبارک کا خوب گھنا اور دراز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمانِ رسولؐ کی تعمیل اور اتباعِ رسولؐ کا تقاضا یہی ہے کہ اپنی من پسند چھوٹی چھوٹی داڑھیوں کے جواز کے دلائل ڈھونڈنے کے بجائے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل کو اختیار کر لیا جائے۔

داڑھی کی شرعی مقدار

اب رہا یہ سوال کہ شرعی طور پر داڑھی کی کوئی حد بندی بھی ہے یا نہیں؟ تو جان لینا چاہئے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً داڑھیاں بڑھانے کا حکم دیا ہے اور اس کے لئے کوئی مقدار مقرر نہیں فرمائی کہ اس حد تک پہنچنے پر داڑھی کا بڑھنا بند کر دیا جائے۔ البتہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے ہمیں داڑھی کو معتدل رکھنے کے لئے اسے تراشنے کی حد ضرور مل جاتی ہے۔ یعنی داڑھی کے بال اصلاح طلب ہوں تو ان کی تراش خراش کی جائے لیکن مقررہ حد سے زیادہ نہ تراشی جائے۔ تو آئیے اس مقررہ حد کی تعیین کے لئے احادیث کی طرف رجوع کریں:

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يأخذ من لحيته من عرضها وطولها (رواه الترمذي)

(حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی میں سے (یعنی) اس کے طول و عرض میں سے کچھ حصہ تراش دیا کرتے تھے۔)

یہ تراشنا کس حد تک ہوتا تھا؟ احادیث مبارکہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک (اس کو تراشنے کے باوجود) کم از کم ایک مشت بلکہ اس سے زیادہ ثابت ہوتی ہے جس میں آپؐ خلال فرماتے، کنگھی سے اس کو درست فرماتے اور اس کے گھنا اور دراز ہونے کا یہ عالم تھا کہ اس نے سینہ مبارک کے اوپر کے حصے کے طول و عرض کو بھر رکھا تھا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا بچشم سر مشاہدہ کرنے والے تھے۔ آپؐ کے یہ جاں نثار عاشق آپؐ کے اقوال کو اپنے سینوں میں اور آپؐ کے افعال کو اپنی زندگیوں میں محفوظ کر لیتے تھے۔ لہذا ان سے بڑھ کر آپؐ کی سنتوں کا شیدائی اور آپؐ کی وضع قطع کا اتباع کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ صحابہ کرام میں سے جو حضرات اپنی داڑھیاں تراشتے تھے وہ ایک قبضہ (مشت) سے زائد ہو جانے کی صورت میں تراشتے تھے اور ظاہر ہے کہ ان حضرات کا یہ عمل اتباع سنت ہی کا مظہر تھا۔ چنانچہ یہ ہمارے لئے معیار عمل ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب حج یا عمرہ سے فارغ ہو کر حجامت بنواتے تو داڑھی کو مٹھی میں لے کر ایک مشت سے زائد کو تراش دیتے تھے۔

ان کے علاوہ حضرت عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ عینی شرح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کی بے ڈھب داڑھی کی اصلاح کے لئے قینچی منگوائی۔ پھر اس کی داڑھی کو مٹھی میں لیا اور ایک شخص کو حکم دیا جس نے آپؓ کے ہاتھ کے نیچے نکلتے ہوئے بالوں کو کاٹ دیا۔ (بحوالہ داڑھی کے متعلق شرعی فیصلہ)

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ داڑھی کی اصلاح اور موزونیت کے لئے اس کے طول و عرض میں تراشنا پسندیدہ ہے لیکن یہ تراشنا ایک مشت سے زائد مقدار میں درست ہوگا۔ اس سے کم کرنا [illegible] تمام فقہائے امت کا اتفاق ہے کہ داڑھی کا ایک مشت سے کم کرنا جائز نہیں اور اس کا جڑ سے صفایا کر دینا سب کے نزدیک حرام ہے۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ چونکہ خود شارع علیہ السلام نے داڑھی کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی اس لئے مختلف روایات سے فقہاء و محدثین نے ایک مشت کی جو حد مقرر کی ہے یہ بہرحال ان کا استنباط ہے اور کوئی مستنبط حکم وہ حیثیت حاصل نہیں کر سکتا جو ایک منصوص حکم کی ہوتی ہے۔ ان حضرات

یہ بات اگرچہ اصولی طور پر درست ہے لیکن اس سے ان کا یہ نتیجہ نکالنا کہ داڑھی کے چھوٹا یا بڑا ہونے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، کسی طور سے بھی درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ عمل مستند ایک مشت تک داڑھی بڑھانے کو لازم قرار نہیں دیتا بلکہ حکم منصوص جو مطلق تھا (یعنی مطلق داڑھیاں بڑھانے کا) یہ اس کو مقید کرتا ہے اس کی تشریح و توضیح کرتا ہے اور ایک مشت سے زیادہ تراشنے کی گنجائش نکالتا ہے۔ چنانچہ جو حضرات تعامل صحابہ اور تعامل امت کے باوجود داڑھی کی ایک مشت مقدار کے قائل نہیں ہیں، منطقی طور پر ان کے لئے مناسب طرز عمل ہوگا کہ وہ احادیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہوئے داڑھیوں کو علی حالہا بڑھنے دیں اور انہیں کسی قسم کا تعرض نہ کریں۔

اسلام میں داڑھی کے مقام اور اس کی حیثیت و اہمیت پر علمائے کرام کی بہت سی تصانیف موجود ہیں۔ موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات ان کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ یہ مختصر سا مضمون علماء کی تحریروں سے استفادہ کر کے ان کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے اور اس کی اشاعت سے اپنے مسلمان بھائیوں اور قارئین حیات نو کی رہنمائی مقصود ہے۔ امید ہے کہ جو حضرات اس ضمن میں تساہل اور کوتاہی کا شکار ہیں وہ اس سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اہمیت سے آگاہی حاصل کر کے اپنے عمل کی اصلاح کر سکیں گے۔ (بشکریہ "میثاق" لاہور۔ اگست ۱۹۸۸ء)

مراجع

اس مضمون کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے:

۱۔ صحیح بخاری
۲۔ صحیح مسلم
۳۔ جامع الترمذی
۴۔ موطا امام مالک
۵۔ مشکوٰۃ المصابیح
۶۔ منہج انقلاب نبوی، ڈاکٹر اسرار احمد
۷۔ رسالہ "داڑھی کا فلسفہ" سید حسین احمد مدنی
۸۔ داڑھی کی شرعی حیثیت، قاری محمد طیب صاحب
۹۔ داڑھی کا وجوب، مولانا محمد زکریا کاندھلوی
۱۰۔ داڑھی کی اسلامی حیثیت، قاضی شمس الدین
۱۱۔ رسائل و مسائل حصہ اول، سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم

وفیات

موت اس کی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس

ولی اللہ سعیدی فلاحی

نماز عشاء میں ابھی چند منٹ باقی تھے۔ میں نماز کے انتظار میں بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا کہ اچانک صف میں میرے دائیں طرف بیٹھے ہوئے میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا "جنرل ضیاء الحق ایک فضائی حادثے کا شکار ہو گئے" انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس جملے نے مجھے ایک شدید جھٹکے میں ڈال دیا، دل کی کیفیت متغیر ہونے لگی۔ تب ذہن پر کسی غیر مرئی قوت نے اپنا قبضہ شدید کر لیا اور ایسا لگا جیسے کسی نے کچھ کر دیا ہو۔ خیالات کی گردش مزید تیز ہو گئی۔ پھر تصورات کا ایک زبردست طوفان اٹھا جیسے باد سموم کے جھونکوں نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا مجھے کچھ خبر نہیں۔

آئندہ نشر ہونے والی خبروں نے اس حادثہ جانکاہ کی تصدیق کر دی۔ میں نے دیکھا کوئی بھی ایسا چہرہ نظر نہ آیا جو افسردہ نہ ہو اور کتنے ہی صاحب دل فرط جذبات سے مغلوب ہو کر صبر و تحمل کا دامن چھوڑ بیٹھے۔ آنسوؤں کا ایک لامتناہی سلسلہ ان کی آنکھوں سے رواں تھا۔ اور یہ آنکھیں کیوں نہ روتیں جبکہ ان کا ایک عظیم قائد انہیں ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے چکا تھا۔ ایک ایسا قائد جو صبر و تحمل کا پیکر، اخلاق حمیدہ سے متصف اور بہترین صلاحیتوں کا مالک تھا جسے اپنے خالق پر حد درجہ یقین تھا جو خدا کے دربار میں نہایت عابد و زاہد اور میدان کارزار میں عظیم مجاہد تھا، جس نے اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر دی تھی۔ خدا کے دین کی سرفرازی اور سربلندی جس کا مقصد تھا، جس کے لئے وہ ہمیشہ کوشاں رہتا اور برملا کہا کرتا "ہم حاکمیت اعلیٰ قائم کرنا چاہتے ہیں اور ہم اس وقت تک دم نہ لیں گے جب تک اسلام کو مکمل شعبہ حیات میں نافذ نہ کر دیں"۔ جو محبت رسول صلے اللہ علیہ وسلم میں ڈوبا ہوا تھا، جو ببانگ دہل کہتا "ہم حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں گے اور ان شاء اللہ ایک مستحکم اسلامی معاشرہ بنائیں گے"۔ جس سے پوری دنیا تھراتی اور جو خدا کے علاوہ کسی سے نہ ڈرتا اور کہتا "مجھے موت سے کوئی

خوف نہیں تھا جس نے خدا کے فرمان کو سرزمین پاکستان سے لے کر اقوام متحدہ کے ایوان تک پہنچایا اور چیلنج کرتے ہوئے کہا کہ اسلام ہی آج کی سسکتی اور کراہتی دنیا کے زخموں کا مداوا ہے اور اسلام ہی وہ دین ہے جو اس دنیا میں نافذ العمل اور قابل العمل ہے۔ جو خدا کے بھیجے ہوئے دستور حیات کو سفر حضر ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا کہ اسے اس دستور سے محبت تھی۔ اسی دستور کی بنیادوں پر کھڑا ایک حسین و جمیل اور پرشکوہ قلعہ دیکھنا چاہتا تھا جس سے پوری دنیا کو امن و چین ملتا۔ جس نے یہ طے کر رکھا تھا کہ عالم اسلام کو متحد کر کے ایک اسلامی بلاک بنا کر پوری دنیا پر چھا جایا جائے اور اسی مقصد کے لئے روزانہ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کام کرتا۔ جس کے سیاسی و اخلاقی نظام میں عمر ثانی ؓ کی جھلک، ادیان و تمدن پر شاہ فیصل شہید ؒ کی چھاپ اور افکار و خیالات میں مولانا مودودیؒ کا عکس تھا۔ افسوس! صد افسوس ایک ایسا جامع الکمالات محبوب امت سے بچھڑ گیا تھا۔ یہ حادثہ کسی شخص واحد یا تنہا حکومت پاکستان کا نہیں بلکہ مسلمانان عالم کا حادثہ تھا جس کی وجہ سے پوری ملت اسلامیہ متزلزل ہو گئی ہے۔

کسی کی موت پر حزن و ملال کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے کیونکہ جانے والے کبھی نہیں آتے۔ جانے والوں کی یاد آتی ہے اور ان کی یادیں دلوں کو تڑپاتی رہتی ہیں لیکن رونے، غم کرنے اور مایوس ہونے سے کچھ نہیں ہوا کرتا۔ زندہ قومیں کبھی مایوس نہیں ہوتیں وہ مقصد کے حصول کے لئے جدوجہد اور محنت و لگن کے ساتھ کوشش کرتی ہیں اور اس راہ میں جب ان کا کوئی فرد کام آجاتا ہے تو وہ بجائے رنجیدہ ہونے کے مزید خوش ہوتی ہیں کہ ہم نے ایک فرد کی قربانی پیش کی ہے اس کا خون ضرور رنگ لائے گا۔ جنرل محمد ضیاء الحقؒ مرحوم ایسی ہی قوم کے ایک جانباز مجاہد تھے۔ وہ ایک عظیم مقصد کی راہ میں کام آگئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس قربانی کو قبول فرمائے۔ آمین۔

جنرل محمد ضیاء الحقؒ مرحوم بظاہر رحلت فرما گئے لیکن اپنی خدمات اور اپنے کارناموں کے ذریعہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ و جاوید ہو گئے۔ دنیا انھیں یاد کرتی رہے گی۔ ہماری طرف سے ان کے لئے بہترین نذرانہ یہ ہے کہ ہم ان کے لئے دعائیں کریں اور ان کے درخشاں اسلامی طور طریقوں پر عمل پیرا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین۔

یہ سچ ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے جس کو جس کام کے لئے پیدا کیا ہے اس سے وہ کام لے کر چھوڑتا ہے" اور بندے کا کام صرف محنت و کوشش کرنا ہے۔ اس عظیم مجاہد نے ایک دینی گھرانے میں آنکھیں کھولیں اور حصول تعلیم کے بعد وہ فوج میں شامل ہو گئے۔ محنت و لگن کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کی جس کی وجہ سے آپ ترقی کرتے رہے اور اسی محنت و لگن کی بدولت وہ ایک اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے پھر کچھ دنوں کے بعد وہ دن بھی آ گیا جب ملک کا نظم و انتظام آپ کے ہاتھ میں تھا۔ پوری دنیا جانتی ہے کہ جس وقت آپ نے پاکستان کو اپنے ہاتھ میں لیا اس وقت شدید بحرانی کیفیت پورے ملک پر طاری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ ساری صلاحیتیں عطا فرمائیں جو ایک بہترین لیڈر کے اندر ہونی چاہئیں۔ جب کہ یہ کہا جاتا تھا کہ آپ کی ذہنیت کچھ اس طرح تھی گویا امور حکومت سے آپ کو کوئی دلچسپی نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس کام کے لئے پیدا کیا تھا وہ کام ان سے لے لیا۔ یہ عین ممکن ہے بلکہ ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ خدائے لم یزل ہم میں سے پھر کوئی بہادر اور حوصلہ مند شخص کو اٹھائے گا اور اس سے دین کی خدمت لے گا۔ ہمیں احساس کمتری کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ جنرل محمد ضیاء الحقؒ مرحوم ہو گئے لیکن بے شمار جنرل محمد ضیاء الحق پیدا کرنے والا خدائے لم یزل و لا یزال ابھی باقی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ پوری دنیا میں اسلام کو غالب کرے۔ آمین ثم آمین۔

یہ بھی سچ کہا گیا ہے کہ شخص ایک دن پیدا ہو جاتا ہے اور شخصیت برسوں میں بنتی ہے جنرل محمد ضیاء الحق بحیثیت شخص ۱۲ اگست ۱۹۲۴ء کو پیدا ہو گئے تھے لیکن ان کو شخص سے شخصیت بننے میں تقریباً پچاس سال لگے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اور یہ صرف محنت و مشقت کا نتیجہ تھا۔ ہم تمام کو محنت و لگن کے ساتھ اپنے مقصد کے حصول میں لگ جانا چاہئے کہ یہی کامیابی کی کلید ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دے۔ آمین۔

موت ہر ایک کو آنی ہے۔ اس کا ایک وقت مقرر ہے جس کا علم صرف اللہ جل شانہ کو ہے۔ جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کو بھی موت آنی تھی، آ گئی۔ اس کا علم صرف اللہ بزرگ و برتر کو تھا۔ اس واقعے سے زندگی کی بے ثباتی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ ہم تمام کو ایک نہ ایک دن اپنے خدا کے حضور حاضر ہونا ہے اور اس دنیا میں کئے گئے اعمال کو حساب و کتاب دینا ہے۔ جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم اپنے اعمال لے کر خدا کے حضور ادب کے ساتھ حاضر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین۔ ہمیں بھی اپنی ذمہ داریاں محسوس کرتے ہوئے، اپنے مقصد کے حصول میں دل و جان سے لگ جانا چاہئے کہ پتہ نہیں موت کا پروانہ کب آ پہنچے۔ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ دنیوی زندگی کی کوئی حقیقت نہیں۔ لہذا ہر ایسے موقع پر

سوچتا ہوں جب اچانک کوئی بجھتا ہے چراغ ——— زندگی، یہ زندگی، کیا زندگی؟ کچھ بھی نہیں

اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے اور پاکستان کو آپ کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین ثم آمین۔

بقیہ: اخبار علمیہ

آج بھی عوام ان مذاکروں میں ذوق و شوق سے شریک ہوتے ہیں۔ مشہور اسلامی مناظر احمد دیدات اور ملکی عالموں میں ہر برس مذہبی مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔ یہ اعلان نظر سے گزرا کہ برمنگھم میں نبیان کے کئی عالم ڈاکٹر انیس سرورش سے احمد دیدات کا مناظرہ ہوگا، مناظرہ ہال میں نشستوں کے لئے اگرچہ کوئی فیس نہیں ہے لیکن نشست کو محفوظ کرانے کے لئے دو پاؤنڈ ادا کرنے ہوں گے۔

(ش۔ ح) بشکریہ "معارف" اعظم گڑھ۔ اگست ۱۹۸۸ء

دوسرے قاری

امام ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ علیہ

از: الیاس اعظمی

امام ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ علیہ صحابی رسول حضرت عبداللہ ابن السائب مخزومی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ وہ اپنے علم و فضل اور کمال کے اعتبار سے دوسرے قاریوں سے کئی باتوں میں ممتاز ہیں جیسا جس طرح دیگر امور میں دوسرے قاریوں کو بھی ان کے مقابلہ میں چند در چند امتیازات حاصل ہیں۔ علوم قرآنیہ خصوصاً علم قرأت میں ماہر و مشاق تھے۔ اس فن میں آپ کا درجہ مسلم ہے۔ آپ سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا۔ آپ کی عظمت و بلند پایگی کا اندازہ یوں بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ سات مشہور و متواتر قرأتوں میں سے ایک قرأت کے امام ہیں اور آپ کی قرأت متواتر قرأتوں میں شامل ہے آپ ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت تابعی ہیں۔

امام ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ علیہ صرف علم قرأت ہی کے ماہر نہ تھے بلکہ لغت و عربیت اور حدیث پاک میں بھی ان کو مستند حیثیت حاصل تھی۔

نام و نسب

عبداللہ نام اور ابو معبد کنیت تھی۔ نسب نامہ یہ ہے: سیدنا ابو معبد عبداللہ بن کثیر بن عمرو بن عبداللہ بن زاذان بن فیروزان بن ہرمز داری مکی۔

ولادت و خاندان

آپ ۴۵ھ میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے لیکن اصلاً فارسی النسل تھے۔ علامہ ابن مقامع بغدادیؒ اور علامہ ابو عمرو عثمانؒ دانی کے بیانوں کے مطابق امام صاحب عمرو بن علقمہ الکنانی تابعی مکی کے موالی میں سے تھے جبکہ بعض دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ داری بنی عبدالدار میں سے تھے اور داری بازی کا تعلق مکہ کے مشہور قبیلہ تمیم سے تھا۔

امام صاحب کے اصلاً فارسی النسل ہونے کا اعتراف اکثر مصنفین نے کیا ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وهو من ابناء فارس الذين بعثهم كسرى فى السفن الى اليمن [1]

اور وہ (ابن کثیر) ان اہل فارس کی اولاد میں سے تھے جنہیں کسریٰ نے کشتیوں پر سوار کر کے یمن کی طرف روانہ کیا تھا۔

تعلیم و تربیت اور اساتذہ

امام ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد تابعینؒ سے دیگر علوم و فنون اور ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ ابن السائب مخزومی سے علوم قرآنیہ کی تحصیل کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں علم قرأت کے اختلافات بڑھ گئے۔

امام ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ ابن السائب مخزومیؓ کے علاوہ دیگر صحابہ کرام سے بھی اپنی علمی و تعلیمی پیاس بجھائی اور جن سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہوا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

امام ابو الحجاج مجاہد ابن جبیر مکیؒ، شیخ القراء درباس مولی حضرت ابن عباسؓ، امام عکرمہ مولی حضرت ابن عباسؓ، ابو الزبیر، ابو المنہال عبدالرحمن ابن المطعم [2]

درس و تدریس

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے درس و افادہ کا پتہ نہیں چلتا لیکن ان کے تلامذہ اور جلیل القدر تلامذہ کے علمی مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے درس و افادہ کا حلقہ بہت وسیع رہا ہوگا۔

تلامذہ

امام ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کثیر التعداد ہیں جن میں جلیل القدر تابعین اور عظیم المرتبت علماء و فقہاء شامل ہیں۔ چند معتبر اور مشہور تلامذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

امام محمد بن ادریس شافعی، امام ابو عمرو بصری، امام سفیان بن عیینہ ہلالی، امام خلیل بن احمد، امام شبل بن عباد، ایوب، امام ابن خثیم، امام حماد بن سلمہ، جریر بن حازم، ابن ابی نجیح، امام ابن جریج [3]

امام صاحب کے علم و فضل اور علم قرأت میں غیر معمولی مہارت کا اس بات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ امام محمد بن ادریس شافعی، امام ابو عمرو بصری اور امام سفیان بن عیینہ ہلالی جیسے بلند پایہ علماء و فقہاء کے اساتذہ میں ہیں۔ صاحب تہذیب کا بیان ہے کہ مندرجہ بالا حضرات کے علاوہ ایک جماعت آپ سے فیضیاب ہوئی۔

---

[1] ملا علی قاری، شرح شاطبی، ص ۲، بحوالہ علم قرأت اور قراء سبعہ ص ۶۹

[2] تہذیب التہذیب ج ۵، ص ۳۶۷ — [3] ایضاً، ص ۳۶۸

سلسلۂ قرأت

امام ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت صرف دو واسطوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ آپ نے مجاہد ابن جبیر مکی شیخ القراء درباس سے پڑھا تھا اور ان دونوں حضرات نے حضرت ابی ابن کعبؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت زید ابن ثابتؓ سے پڑھا تھا اور ان جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان گوہر فشاں سے پڑھا اور سنا تھا۔ اس طرح امام ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت صرف دو واسطوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ [1]

حضرت عبداللہ ابن السائب مخزومی کے سلسلہ قرأت سے بھی آپ کی قرأت دو ہی واسطوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن السائب مخزومیؓ نے حضرت ابی ابن کعبؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سے پڑھا اور ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

زیارت صحابہؓ

اوپر ذکر آچکا ہے کہ امام صاحب حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں ۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اس وقت بڑے جلیل القدر صحابہ کرام موجود تھے۔ صحابہ کرام ۱۱۰ھ تک اس دنیا میں رہے جو کہ امام صاحب کی جوانی اور پختہ عمری کا زمانہ تھا۔ جن صحابہ کرام سے تذکرہ نگاروں نے امام صاحب کی زیارت کا ذکر کیا ہے ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت عبداللہ ابن زبیر قرشی، حضرت انس ابن مالک اور حضرت عبداللہ ابن السائب مخزومی رضی اللہ عنہم۔ [2]

حفظ و ثقاہت

امام ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ حفظ و ثقاہت میں بھی منفرد اور ممتاز تھے۔ معتبر لوگوں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ اگرچہ ان کا واضح ثبوت قراء سبعہ میں داخل ہونا ہے تاہم علی ابن مدینی کا بیان ہے کہ وہ معتبر تھے۔ ابن معین کا بیان ہے کہ:

عبد الله بن كثير الدارى القارى ثقة [3] — عبداللہ ابن کثیر داری معتبر قاری تھے۔

اس کے علاوہ دوسرے تذکرہ نگاروں نے آپ کی توثیق کی ہے اور معتبر قرار دیا ہے۔ چنانچہ یحییٰ ابن

---

[1] احیاء المعانی، جزء اول ص ۱۰۱ — [2] ملا علی قاری، شرح شاطبی، ص ۲، بحوالہ علم قرأت اور قراء سبعہ ص ۶۹

[3] تہذیب التہذیب، ج ۵، ص ۳۶۸

ہے کہ اہل مکہ آپ ہی کی قرأت کو لائق اتباع سمجھتے تھے۔ حضرت ابو عبید کا بیان ہے کہ اہل مکہ کی قرأت آپ پر ختم ہوتی ہے۔[۱]

علم قرأت میں درجہ و مرتبہ

امام ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو اگرچہ مختلف علوم و فنون میں مہارت و صلاحیت حاصل تھی لیکن آپ کا اصلی اور امتیازی فن علم قرأت ہے جس میں مہارت تامہ اور غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل تھی۔ علم قرأت کے ائمہ میں اور قراء سبعہ میں امام القراء امام نافع مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد بیان کئے جاتے ہیں۔ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۹۰ھ) آپ کی شان عالی میں فرماتے ہیں:

ومکۃ عبد اللہ فیہا مقامہ ھو ابن کثیر کاثر القوم معتلا[۲]

اور مکہ جو عبد اللہ کی جائے اقامت ہے، ابن کثیر (یعنی قوم یعنی قراء) پر غالب تمام اور بلند ہیں۔

امام صاحب کی قرأت کو مکہ معظمہ میں بڑا فروغ ہوا اور اہل مکہ آپ ہی کو سب سے بڑا قاری سمجھتے تھے۔ آپ کے شاگرد اور مشہور محدث و فقیہ امام سفیان بن عیینہ ہلالی کا بیان ہے کہ "مکہ مکرمہ میں عبد اللہ بن کثیر اور حمید بن قیس الاعرج سے بہتر کوئی قاری نہ تھا"[۳] چونکہ علم قرأت کا تعلق قرآن سے ہے اور شروع میں قرآن پاک کے صحیح پڑھنے اور سیکھنے کا بڑا رواج تھا اس لئے قرون اولیٰ میں قرآن پاک کی خدمت انجام دینے والوں کی ایک بڑی تعداد رہی تھی جن میں امام صاحب بھی شامل ہیں۔ امام صاحب کے دوسرے شاگرد اور مشہور و معروف محدث جریج ابن حازم کا بیان ہے کہ:

کان فصیحا بالقرآن۔[۴] (ابن کثیر) فصیح القرآن تھے

اپنے شیخ امام مجاہد ابن جبیر مکی کی وفات کے بعد حرم محترم کی مسند قرأت کو علماء کی درخواست پر قبول کر لیا اور زندگی بھر اس منصب جلیلہ پر فائز رہے[۵]

ابن مجاہد کا بیان ہے کہ اہل مکہ میں زندگی بھر متفقہ امام رہے[۶]

---

[۱] تہذیب التہذیب، ج ۵، ص ۳۶۸۔ [۲] سراج القاری، ص ۔

[۳] تہذیب التہذیب، ج ۵، ص ۳۶۸۔ [۴] ایضاً

[۵] شرح سبعہ قرأت، ص ۳۰۔ [۶] ایضاً

حدیث پاک میں درجہ و مرتبہ

امام صاحب کا اگرچہ خاص موضوع علم قرأت تھا لیکن وہ فن حدیث میں بھی گوناگوں خصوصیات کے مالک تھے۔ حضرت ابو الزبیر اور مجاہد ابن جبیر مکی سے حدیث پاک کا سماع کیا اور انہی سے روایت کرتے ہیں۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ "وہ (ابن کثیر) ثقہ تھے اور ان کی حدیثیں صحیح ہیں"[۱] ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ:

وکان اماماً فی الحدیث۔[۲] اور وہ (ابن کثیر) حدیث کے امام تھے۔

لغت و عربیت

امام صاحب قرآن و حدیث اور قرأت و تجوید کے علاوہ لغت و عربیت میں مہارت رکھتے تھے۔ مصنفین نے اس فن میں آپ کی مہارت کا اعتراف کیا ہے۔ امام ابو عمرو کا بیان ہے کہ "عبد اللہ ابن کثیر عربیت میں مجاہد ابن جبیر سے بڑے عالم نہایت فصیح و بلیغ تھے"[۳]

پیشہ

امام صاحب کا قیام عرصہ دراز تک عراق میں رہا لیکن زیست کا بیشتر اور قیمتی حصہ مکہ مکرمہ میں گذرا۔ انہیں یہاں مسند قرأت سے نوازا گیا اور یہیں انہیں امام القراء کہا گیا۔ ان سب چیزوں کے باوجود یہ کہ مکہ مکرمہ میں عطر کی تجارت بھی کرتے تھے۔ اس لئے اہل مکہ آپ کو داری (عطار) کہتے تھے۔

وفات

عرصہ دراز تک خدمت قرآن کرنے کے بعد امام صاحب نے ۱۲۰ھ میں بزمانہ ہشام بن عبد الملک مکہ معظمہ میں بعمر ۷۵ سال انتقال کیا۔[۴] اور مکہ معظمہ میں سپرد خاک کئے گئے۔

جزی اللہ بالخیرات عنا ائمۃ لنا نقلوا القرآن عذبا وسلسلا

اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے، آپ کی مغفرت کرے اور جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہم لوگوں کو صالح مومن اور دین کا خادم بنا لے۔ آمین۔

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۶۸ [۲] ملا علی قاری شرح شاطبی ص ۱۲، بحوالہ علم قرأت اور قراء سبعہ ص ۶۱

[۳] سوانح قراء سبعہ ص ۵ مرتبہ قاری حبیب اللہ صاحب [۴] سراج القاری المبتدی ص ، او شرح سبعہ قرأت ص ۳۱

اخبارِ علمیہ

اسلام انسائیکلوپیڈیا

روس کے شہر لینن گراڈ میں "اسلام" کے نام سے ایک انسائیکلوپیڈیا تیار کی گئی ہے اور اب یہ قاموس طبع اشاعت کے مرحلہ میں ہے۔ یہ کتاب اکاڈمی آف سائنسز کے استشراقی علوم کے ادارہ کی زیر نگرانی تیار کی گئی ہے۔ یہ تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مذہب اسلام، تاریخ اسلام اور نظریات اسلام کے موضوعات پر مضامین ہیں۔ جدید دور میں اسلام کی اہمیت اور اس کے مذہبی رجحانات پر بھی کئی مقالے ہیں۔

قاموس کے مرتب خاص اشاتیبی لاڈرونودو روف نے بتایا کہ روس میں اس سے پہلے اسلام کے نام پر جو علمی کام ہوئے ان کا تعلق زیادہ تر روسی مسلمانوں سے ہے مگر اس پر زیادہ گہرائی سے کام ہوا ہے۔ چنانچہ اس قاموس میں قرآن مجید کے کئی نسخوں پر تاریخی ماخذ کی حیثیت سے روشنی ڈالی گئی ہے اور تصوف پر مفصل بحث ہے۔

اس کے مضمون نگاروں میں روسی مستشرقین کے علاوہ دمشق، بغداد، طہران اور تونس کے اہل علم حضرات بھی شامل ہیں۔

ادارہ کا منصوبہ یہ ہے کہ اسلام پر جو مخطوطات دستیاب ہیں ان کو شائع کیا جائے۔ چنانچہ کئی نادر و نایاب روسی اور غیر روسی مخطوطے شائع کیے جا رہے ہیں ان میں سے ایک مخطوط الفہد بھی ہے جس میں پندرہویں صدی عیسوی کے آغاز میں وہاں کی مذہبی شخصیتوں کے حالات درج ہیں۔ چند دوروزی رسالے اور گیارہویں صدی کا ایک مخطوطہ بھی زیر اشاعت ہے جو ڈین سے حاصل کیا گیا ہے۔

اسلامی علوم و صنعت کا ایک بین الاقوامی ادارہ

حال ہی میں واشنگٹن میں اسلامی علوم و صنعت، سائنس اور ٹیکنالوجی کے ایک بین الاقوامی ادارہ کا رجسٹریشن کرایا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی علوم اور ٹیکنالوجی کو فروغ دیا جائے۔ اس کے لئے اس نے تین بنیادی کام شروع کئے ہیں:

(۱) اسلام کا فلسفہ سائنس اور ٹیکنالوجی (۲) سائنس اور ٹیکنالوجی کی اسلامی سماجیات اور (۳) سائنس اور ٹیکنالوجی کی اسلامی تاریخ۔

یہ ادارہ بعض خاص دوسرے اداروں کے علاوہ ان موضوعات پر کام کرنے والوں کے لئے بھی مددگار ثابت ہوگا۔ اس ادارہ کے چیئرمین پروفیسر حسین قیصر اور ڈائرکٹر اس وقت احمد حسینی ہیں۔ کئی ممالک کے ممتاز مسلمان علماء اور دانشور اس کے ممبر ہیں جن میں ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی کے بانی حکیم محمد سعید صاحب بھی شامل ہیں۔

امریکہ میں ایک یوتھ کاؤنسل کی تشکیل

امریکہ اور یورپ میں مسلمانوں کو اپنے دین کے تحفظ اور فروغ کی اہمیت کا احساس ہے۔ اسی غرض سے واشنگٹن کے تقریباً ۵۰ مسلم مراکز و مساجد کے نمائندوں پر مشتمل ایک یوتھ کاؤنسل کی تشکیل کی گئی ہے۔ اس کا آغاز اس سال کے شروع میں ایک سیمینار سے ہوا تھا جس میں باہم تبادلہ خیال کا موقع ملا اور اب یہ انجمن باقاعدہ معرض وجود میں آگئی ہے۔

ایک سیمینار

اسی واشنگٹن میں ایک اور انجمن انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اکنامکس (IIIT) کے نام سے قائم ہے۔ اس کے زیر اہتمام ۸ر جولائی سے ۱۲ر جولائی تک فرانس میں اسٹراسبرگ کی یونیورسٹی آف ہیومن سائنسز میں اسلامی معاشیات کے موضوع پر دو روزہ سیمینار ہوا۔ مقالہ نگاروں میں ڈاکٹر محمد عمر چھاپرا، ڈاکٹر یوسف ابراہیم، ڈاکٹر جمال الدین عطیہ اور محمد ناصر، ابو سلیمان وغیرہ شامل ہیں۔ سیمینار کے انعقاد میں پیرس کے ایک اسلامی معاشیات کے ادارہ [illegible] نے اپنا تعاون دیا۔

ایک مناظرہ

ہندوستان میں مذہبی مناظرے اب اگلے وقت کی باتیں ہیں لیکن یورپ میں

باقی صفحہ پر

حلقۂ یاراں

برادرِ مکرم و مدیرِ محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تحریرِ خاص و مطلوب ”حیاتِ نو“ اگست ۱۹۸۸ء کا شمارہ ملا۔ اداریہ میں آپ نے علم سے متعلق جس موضوع کو چھیڑا ہے وہ خاصا اہم اور بڑی وسعت کا حامل ہے۔ آنجناب سے امید ہے کہ اس کے ماخذ و مآخذ پر نظر رکھتے ہوئے موضوع کو مرتب کریں گے۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کی ترجمانی محترم ابو جاوید کے قلم سے بہت خوب ہے۔ یہ سلسلہ اگر برقرار رکھا گیا تو بہتر رہے گا۔ جامعہ کے بیماد نہادا کے کالم کی بعض سرخیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ رسالہ کی اشاعت سے بہت پہلے مرتب ہو چکی تھیں۔ مثلاً عید الاضحیٰ کی تعطیل کے سلسلہ میں آپ نے لکھا ہے کہ ”تعطیل بہت قریب ہے، فلاں سے فلاں تاریخ تک ہوتی ہے“ لیکن اس کی اشاعت اگست کے شمارہ میں ہوئی ہے جب کہ عید الاضحیٰ کی تعطیل جولائی میں ہوئی ہوگی۔ مناسب تھا کہ اس کا اعلان جولائی کے شمارہ میں کرتے اور اگست کے شمارہ میں اس طرح لکھا جا سکتا تھا: عید الاضحیٰ کی تعطیل فلاں تاریخ سے فلاں تاریخ تک تھی اب جامعہ دوبارہ کھل گیا ہے۔ وغیرہ۔

اس شمارہ کے باقی مضامین بھی علمی رنگ لئے ہوئے ہیں۔ مولانا صباح الدین ملک صاحب فلاحی نے ”نوجوانانِ وطلبہ تحریک کے میثاقی منصوبہ کے تحت جن منصوبوں کا تذکرہ کیا ہے اس کو بھی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے۔

والسلام

محمد اسلام عمری علی گڑھ۔

۱۹/ اگست ۱۹۸۸ء

محترم مکرم جناب سعد اللہ سعیدی فلاحی صاحب مرتب ماہنامہ حیاتِ نو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ آپ بعافیت ہوں گے۔ آپ کا اداریہ بہت پسند آیا مگر بھائی صاحب! اس سعادت پر حجاج کرام جہاں پر پہنچ سکا گوتم گردہ لیبوں سے جاکر وہاں جدہ، مکۃ المکرمہ میں جا پہنچے ہوئے پکڑے گئے ہیں اور سعودی جیل کی کوٹھری میں سڑ رہے ہیں۔ بتائیے آپ کے نظریے کے مطابق یہ حجاج کو سعادت ملی۔ میں آپ کو مشورہ دوں گا، کوئی نیا اداریہ قلمبند کیجئے گا۔

فقط والسلام

آپ کا مخلص، نور الدین یمنی

غزل

قمر رسولپوری

یاد تو یاد میں تیروں کو دعا ملتی ہے
در پہ آتا ہے مریض سب کو شفا ملتی ہے

جب سے سرکار کی تربت کو صبا چوم آئی
سانس لیتے ہوں تو جنت کی ہوا ملتی ہے

رت جگا ختم ہوا عمر طلب کا یارو
اب تو دیکھیں گے جزا یا کہ سزا ملتی ہے

ڈوبتے ہوئے لوگوں کو ہنسایا جائے
روح کو ایسے مشاغل سے غذا ملتی ہے

شاخ سے ٹوٹ کے خوش ہوکے کہا کلیوں نے
پھول بنتے ہیں تو ہنسنے کی سزا ملتی ہے

سربلندی کی تمنا ہے تو جھک کر چلئے
خاکساری سے بزرگوں کی دعا ملتی ہے

باپ کا سایہ تو بچپن ہی میں سر سے اٹھا
شکر ہے ماں ترے آنچل کی ہوا ملتی ہے

سچ جو کہتا ہوں تو ملتے ہیں قمر دار و رسن
جھوٹ کہتا ہوں تو دستار و قبا ملتی ہے

مرتب

جامعہ کے لیل و نہار

جناب مولانا نور محمد فلاحی صاحب کی ریاض کو روانگی

استاذ محترم جناب مولانا نور محمد فلاحی صاحب اساتذہ ٹریننگ کورس مکمل کرنے کے لئے جامعۃ الملک سعود (ریاض) جا رہے ہیں۔ ۱۳ر ستمبر ۱۹۸۸ء کو آپ جامعہ سے روانہ ہو رہے ہیں۔ ۱۰ر صفر تک آپ انشاء اللہ اسلام آباد (پاکستان) پہنچیں گے جہاں آپ کو ریاض کے لئے ویزا اور ٹکٹ ملے گا۔ ۱۲ر صفر تک آپ کو ریاض پہنچ جانا ہے۔

۱۰ر ستمبر کو آخری گھنٹی میں آپ کو جامعہ کی طرف سے پارٹی دی گئی۔ صدر محترم جناب مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی نے دعائیہ انداز میں گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ موصوف ٹریننگ کے لئے جامعۃ الملک جا رہے ہیں۔ ہمیں اس بات پر بے حد خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ قیمتی موقع عنایت فرمایا ہے۔ دعا ہے کہ آپ وہاں سے بیش از بیش استفادہ کر سکیں اور جدید طریقۂ تعلیم کا بنظر غائر مطالعہ کر سکیں تاکہ آپ جب واپس آئیں تو اپنے طلبہ کو مزید رہنمائیاں فراہم کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق دے۔ آمین۔

صدر محترم کے بعد مولانا نور محمد صاحب فلاحی نے کہا کہ ہم اساتذہ کی حیثیت مربی کی ہے۔ ہم تمام اپنی ذمہ داری بجا لائیں اور بہتر انداز میں طلبہ کی تعلیم و تربیت کریں تاکہ جب یہ میدان میں نکلیں تو خدا کے سپاہی بن کر نکلیں۔ آپ نے مزید کہا کہ میں ایک طویل سفر پر جا رہا ہوں۔ آپ کی شان میں مجھ سے گستاخیاں ہوئی ہوں گی، آپ حضرات مجھے معاف فرمائیں اور دعا کریں کہ مجھے حج اصغر اور حج اکبر دونوں نصیب ہوں۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مولانا کو اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

گذشتہ سال اس کورس کی تکمیل کے لئے جامعہ کے ایک لائق استاذ جناب مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی ریاض تشریف لے گئے تھے۔ آپ نے ٹریننگ سے واپسی کے بعد وہاں کے اساتذہ کی بے حد تعریف کی تھی اور کہا تھا کہ وہاں کا ہر استاذ اپنے فن پر تیار ہوتا ہے لیکن قرآن مجید کی تفسیر و تعلیم اور تدریس کے سلسلے میں جو فکر و مزاج ہمیں یہاں میسر ہے یقیناً انمول اور لاجواب ہے۔ اس کا اندازہ مجھے وہاں جا کر ہوا۔ اس کی ہمیں قدر کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مزید علم سے نوازے۔ آمین۔

فلاحی برادران کی ایک نشست

۱۱ر ستمبر ۱۹۸۸ء کو بعد نماز عصر جامعہ میں مقیم اور مقامی فلاحی برادران کی ایک نشست مجلہ "حیاتِ نو" کے امور سے متعلق مسجد میں منعقد ہوئی۔ اس نشست کا آغاز استاذ محترم جناب مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی کی تذکیر سے ہوا۔ آپ نے ایک حدیث کی روشنی میں اپنی بات رکھی جس کا مفہوم یہ تھا کہ مرنے کے بعد آدمی کے اجر و ثواب کا دروازہ بند ہو جاتا ہے البتہ تین چیزوں کا ثواب اسے ملتا رہتا ہے جس میں ایک چیز وہ علم ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں۔

آپ نے فرمایا مجلہ "حیاتِ نو" جسے ہم لوگ نکال رہے ہیں اسی قبیل کی ایک چیز ہے۔ اگر ہماری نیت خالص ہے تو انشاء اللہ جب تک لوگ اس مجلے سے استفادہ کرتے رہیں گے ہمیں اس کا ثواب ملتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجلہ کو مزید ترقی دے اور ہمیں مزید قوت و صلاحیت عطا کرے۔ آمین۔

تذکیر کے بعد مجلہ "حیاتِ نو" کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیا گیا۔ پتہ چلا کہ مجموعی اعتبار سے مجلہ کی مالی حالت قابل توجہ ہے۔ اس کے لئے فوری اقدام کی شدید ضرورت ہے۔ لہٰذا سر دست قرب و جوار میں مجلہ حیاتِ نو کی توسیع و اشاعت کے لئے ایک خاکہ ترتیب دیا گیا اور یہ طے پایا کہ اگلے مہینے کی ۱۰ر تاریخ کو ایک حسابی نشست ہوگی جس میں بنائے گئے خاکے کی روشنی میں کام کا جائزہ لینے کے بعد موجودہ صورت حال پر مزید غور و فکر کی جائے گی۔

انجمن طلبۂ قدیم فلاح یونٹ ۱ کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا کہ یہ یونٹ پہلے قائم ہوئی تھی لیکن بر وقت اس یونٹ کی سرگرمیاں نہیں کے برابر ہیں۔ لہٰذا اس یونٹ کا تقرر نئے سرے سے عمل میں آیا اور طے پایا کہ یونٹ کے ذمہ دار سکریٹری انجمن جناب مولانا جاوید اشرف

صاحب فلاحی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اس یونٹ کو سرگرم عمل بنائے۔ آمین۔

علم دین حاصل کرنا، اس کو اپنی زندگی میں نافذ کرنا اور اسلام کے پیغام کو خلق خدا تک پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے۔ انجمن طلبہ قدیم اسی کے لئے مستقل کوشاں ہے۔ یہ صرف نظریاتی سطح پر پلان و منصوبے ہی نہیں بناتی بلکہ عملی میدان میں حتی الوسع اس کے لئے کوششیں بھی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مزید ترقی دے۔ آمین۔

جناب مولانا رحمت الاثری صاحب نگرانِ اعلیٰ

جناب مولانا رحمت الاثری صاحب فلاحی نگرانِ اعلیٰ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی ذمہ داریاں باحسن طریقہ انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ان سے پہلے یہ ذمہ داری استاذ محترم جناب مولانا محمد عمران صاحب فلاحی نائب صدر جامعۃ الفلاح کے ذمہ عائد تھی۔

تعلیم و تربیت کا رشتہ چولی دامن کا ہے۔ تعلیم بغیر تربیت کے بے سود ہے یا یوں کہئے کہ تربیت ہی اصل تعلیم ہے۔ جامعۃ الفلاح تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا بھی خصوصی اہتمام کرتا ہے۔ چوبیس گھنٹے ایک نظم کے ساتھ بچوں کو زندگی گزارنے پر آمادہ کرنا اور ہر آن ان کی تربیت کرنا، ہر آن اور ہر موقع سے انہیں اسلامی آداب سکھانا تاکہ وہ بڑے ہو کر دین اسلام کے بہترین داعی بن سکیں۔ یہ ایک بڑی ضرورت بھی ہے اور ہمارا مقصد بھی۔ ماشاء اللہ جامعہ کی صورت حال اس پہلو سے کافی اطمینان بخش ہے اور خوش آئند بھی۔ اس کا احساس ہر اس شخص کو ہے جو یہاں آچکا ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ جامعہ کے نظام تعلیم و تربیت کو مزید استحکام بخشے۔ آمین۔

جامعہ میں امتحانات

امتحان قریب آچکا ہے۔ طلبہ تیاریوں میں مشغول ہو چکے ہیں۔ ۹/ اکتوبر ۱۹۸۸ء مطابق ۲۶/ صفر سے امتحان کی تیاری کی چھٹی ہو رہی ہے۔ ۱۱/ اکتوبر کو پہلا پرچہ ہوگا۔ آخری پرچہ ۲۲/ اکتوبر ۱۹۸۸ء مطابق ۱۰/ ربیع الاول ہوگا۔ اسی دن دوپہر

طالبات و طلبہ اپنے گھروں کو جا سکیں گے۔ تعطیل ششماہی ۱۱/ ربیع الاول مطابق ۲۳/ اکتوبر تا ۲۵/ ربیع الاول مطابق ۷/ نومبر ہو رہی ہے۔ ناظم امتحان استاذ محترم جناب مولانا رحمت الاثری صاحب فلاحی منتخب ہوئے۔ ۷/ نومبر مطابق ۲۶/ ربیع الاول سے دوبارہ مدرسہ کھل جائے گا۔ بیرونی طلبہ ۶/ نومبر کی شام تک جامعہ لازماً پہنچ جائیں تاکہ روز اول سے نئے جوش و ولولے کے ساتھ اپنے اسباق کا آغاز کر سکیں۔

اس وقت طلبہ کی سعی و لگن اور محنت کو دیکھ کر رشک آتا ہے۔ اے کاش ہم حقیقی امتحان کی تیاری میں ایسے ہی مصروف ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین۔

تعمیرات

جیسا کہ آپ کے علم میں یہ بات آچکی ہے کہ کافی دنوں سے طلبہ کی کثرت کی بنا پر جامعہ تنگ دامنی کا شکار ہے۔ بحمد اللہ قریب دیہات کے محسنین اور ملک کے دیگر اہل خیر حضرات کی فوری توجہ کے نتیجے میں درسگاہ کے اوپر دوسری منزل کی تعمیر شروع ہو گئی ہے اور اب تکمیل کے قریب ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ششماہی کے بعد لائق استعمال ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اہل خیر حضرات کی تشویق اگر شامل حال رہی تو انشاء اللہ جلد ہی نسواں میں تعمیرات کا آغاز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حصول علم کے لئے اچھی سہولتیں فراہم کرے۔ آمین۔

ایک سفیر کا تقرر

جناب شریف احمد صاحب کا سفیر جامعہ کی حیثیت سے تقرر ہو چکا ہے۔ آپ اس سے پہلے کینٹین کے کیشیر تھے۔ بروقت گورکھپور، فیض آباد اور بستی کا حلقہ آپ کے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

کلیۃ البنات کی ایک طالبہ کا انتقال

کلیۃ البنات کی ایک مقامی طالبہ بہن شاہ جہاں متعلم درجہ سوم کا ۳/ ستمبر ۱۹۸۸ء کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جامعہ کے طلبہ و اساتذہ نے جنازے میں شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جناب مولانا عرفان احمد صاحب فلاحی (استاذ جامعہ) کے بڑے بھائی صاحب کی وفات

جناب عرفان احمد صاحب فلاحی کے بڑے بھائی جناب جاوید صاحب ۱۰ اگست کو مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کے جنازے میں جامعہ کے طلبہ و اساتذہ اور کارکنان نے شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت کرے۔ انھیں کروٹ کروٹ جنت دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین۔

جناب رضوان احمد صاحب فلاحی (چھترپور) کو صدمہ

رضوان احمد فلاحی صاحب مقیم حال قطر کی خوش دامن صاحبہ کا چند دنوں قبل انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو غریق رحمت کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جناب ماسٹر عبداللہ صاحب (استاذ جامعہ) کے والد بزرگوار کا انتقال

استاذ محترم جناب ماسٹر عبداللہ صاحب کے والد ماجد ۱۱ ستمبر ۲۰۰۹ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جناب مولانا محمد عمران صاحب فلاحی نائب صدر جامعہ کی قیادت میں ایک وفد مرحوم کی تعزیت کے لیے ماسٹر صاحب کے وطن پہنچا اور مرحوم کی قبر پر دعائے مغفرت کی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور پسماندگان کو خصوصاً استاذ محترم کو اس غم کو برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔